# اسلام ایک ضرورت

سید قطب شہید

ترجمہ

اظہر غوری ندوی

# فہرست ابواب

# عرضِ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر کتاب عصرِ حاضر کے مشہور مفکر و مصنّف سیّد قطب شہیدؒ کی کتاب "ہذا الدین" کا ترجمہ ہے۔ اس مختصر کتاب میں مصنّف نے اسلام اور اسلامی نظام کے بارے میں اہم اعتراضات کے جوابات دیے ہیں اور موجودہ زمانے میں اس کی افادیت و صلاحیت اور نفاذ کے امکانات کے بارے میں شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لیے انسانی جدوجہد کیوں لازمی ہے؟ اس کا نفاذ اللہ تعالیٰ معجزاتی طور پر کیوں نہیں کر دیتا؟ جب دیگر نظامہائے حیات کی طرح اسلامی نظام کو برپا کرنے کا دارومدار بھی انسانی جدوجہد پر ہے تو پھر اسی نظام کو برپا کرنے کی کوشش کیوں کی جائے؟ اسلام اور دیگر نظام ہائے حیات میں کیا بنیادی فرق ہے؟ اسلامی نظام کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟ اس نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد کیوں لازمی ہے؟ موجودہ دور میں اس کی کیا افادیت ہے؟ عصرِ حاضر کے مسائل کو حل کرنے کی وہ کتنی صلاحیت رکھتا ہے؟ اور اس کے نفاذ کے امکانات کتنے ہیں؟ مصنف نے ان سارے اہم سوالات کے اطمینان بخش جوابات دیے ہیں۔

اس خامی اور نقص کے اعتراف کے ساتھ کتاب کے ترجمے میں مصنف کے زورِ کلام کو سمویا نہیں جا سکا اور نہ ایسا آسان ہی تھا اردو داں حضرات کی خدمت میں اس امید کے ساتھ "ہذا الدین" کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے کہ وہ اس سے پورا استفادہ کر سکیں گے۔

"وما توفیقی الا باللہ"

اظہر غوری ندوی
۱۲؍ جنوری ۷۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

## پہلا باب

# سماوی نظام

اسلام کا اپنا ایک مخصوص مزاج اور انسانی زندگی میں اثر انداز ہونے کا اپنا مخصوص طریقِ کار ہے۔ اس حقیقت کے عدم ادراک یا اسے فراموش کر دینے کے نتیجہ میں اس دین کی حقیقت، اس کی تاریخی اہمیت اور اس کے حاضر و مستقبل کے بارے میں بڑی بھیانک غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

بہت سے لوگوں کو یہ توقع ہوتی ہے کہ یہ دین جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو اسے انسانی زندگی میں انسانی مزاج، اس کی فطری صلاحیتوں و قوّتوں اور مادّی حالات کا کوئی بھی لحاظ کیے بغیر ہر مرحلہ اور ہر ماحول میں اسباب سے بلند ہو کر معجزانہ و ساحرانہ طور پر اثر انداز ہونا چاہیئے لیکن جب وہ ایسا نہیں پاتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ محدود انسانی طاقت اور انسانی زندگی کے مادی حالات ساتھ ساتھ کام کرتے ہیں اور کبھی اثر پذیر ہونے کے ساتھ اپنا ایسا اثر بھی ڈال دیتے ہیں جو اس دین کے رُخ کے برعکس ہوتا ہے تو لوگوں کے اندر کا نقص و کمزوری اور ان کی خواہشات ان پر غالب آجاتی

ہیں اور وہ اس دین کے مقصد کو لبیک کہنے اور اس کے ہمراہ چلنے سے کترانے لگتے ہیں، انھیں غیر متوقع مایوسی ہو جاتی ہے یا زندگی کے بارے میں دینی طریق کار و نظام کی سنجیدگی و واقفیت پر سے ان کا اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے اور یا پھر مطلقاً دین ہی ان کی نظروں میں مشکوک ہو جاتا ہے۔

یہ ساری غلطیاں ایک بنیادی غلطی کی پیداوار ہیں اور وہ ہے اس دین کے مزاج و طریقِ کار کا عدمِ ادراک یا اُسے نگاہوں سے اوجھل کر دینا۔

---

اسلام الٰہی نظامِ حیات ہے۔ انسانی زندگی میں اس کے عمل دخل اور نفاذ کی تکمیل ـــ ہر ماحول میں انسانی طاقت اور اس کے مادی حالات کے حدود کے اندر ـــ خود انسانی جدوجہد سے ہوتی ہے۔ پھر یہ عمل دخل اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب انسان اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کی حد وہاں تک جاتی ہے جہاں تک انسان اپنی طاقت و صلاحیت صرف کر سکتا ہے۔ اس نظام کی بنیادی خصوصیت و امتیاز یہ ہے کہ وہ کسی بھی موڑ پر انسانی فطرت اور طاقت و صلاحیت کی حدوں اور مادی حالات سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتا۔ ساتھ ہی ـــ جیسا کہ متعدد مواقع پر عملاً ثابت ہو چکا ہے اور سنجیدہ کوشش کے ساتھ ہر وقت جس کے حصول کا امکان روشن ہے ـــ یہ نظام انسان کو اطمینان و راحت اور اعتدال و سکون کی اس منزل تک پہنچاتا ہے جہاں تک کسی بھی خود ساختہ انسانی طریق کار سے پہنچنا ناممکن ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، غلط فہمی دین کے مزاج کو نہ سمجھنے اور ایسے معجزات و کرامات کی توقع کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے جو مادی عوامل اور محدود انسانی طاقت کا کوئی لحاظ کیے بغیر انسان کی فطرت ہی کو بدل کر رکھ دیں۔ اسی حقیقت کے عدم ادراک، یا اسے فراموش کر دینے کے نتیجہ میں دماغوں میں طرح طرح کے سوالات و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً: کیا یہ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ دین محدود انسانی طاقت کی حدود میں رہ کر ہی کیوں اثر انداز ہوتا ہے؟ انسانی ضعف سے اس کے نتائج کیوں متأثر ہوتے ہیں؟ بلکہ یہ دین سرے سے انسانی جدوجہد کا محتاج ہی کیوں ہے؟ پھر اسے ہمیشہ غلبہ کیوں حاصل نہیں ہوتا؟ اس کے متبعین ہمیشہ غالب کیوں نہیں رہتے؟ کبھی کبھی اس کی صاف و شفاف تصویر پر انسانی ضعف و شہوات اور مادّی حالات کی گرد کیوں پڑ جاتی ہے؟ کبھی اہلِ حق پر اہلِ باطل کیوں غالب آ جاتے ہیں۔؟

یہ سارے سوالات و شبہات اسلام کے مزاج کو نہ سمجھنے یا اُسے فراموش کر دینے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس دین کے ذریعہ سے یا اور کسی طریقے سے انسانی فطرت کو بدل دینے کی پوری قوت رکھتا ہے لیکن کسی حکمت کی بنا پر اس نے انسان کو اسی فطرت پر پیدا کرنا چاہا اور ہدایت، رغبت و کوشش کی بنا پر ہی دینی چاہی۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا ‏ ‏ ‏ اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹) اُن کو ضرور اپنے راستے ضرور دکھادیں گے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسانی فطرت ہمیشہ سرگرم کار رہے، کبھی معطل و منجمد نہ ہونے پائے:

| | |
|---|---|
| وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا | اور انسان کی قسم اور اس کی جس نے اس کے |
| فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا | اعضاء کو برابر کیا پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) |
| قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا | اور پرہیزگاری کی سمجھ دی کہ جس نے اپنے نفس |
| وَقَدْ خَابَ مَنْ | (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے |
| دَسّٰىهَا (الشمس ۷-۱۰) | اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔ |

وہ چاہتا ہے کہ انسانی زندگی میں الٰہی نظام خود انسانی جدوجہد کے ذریعہ اور انسانی طاقت کی حدود کے اندر برپا رہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا | خدا کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں |
| بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ | بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو نہ بدل لیں۔ |
| (الرعد-۱۱) | |
| وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ | اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر "چڑھائی |
| بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ | اور حملہ کرنے" سے نہ ہٹاتا رہتا تو روئے |
| الْاَرْضُ (البقرہ-۲۵۱) | زمین کی حالت تباہ ہو جاتی۔ |

اس کی مرضی یہی ہے کہ انسان اپنی جدوجہد و کوشش اس راہ میں پیش آنے والی ابتلا و آزمائش پر صبر اور اپنے نفس و ماحول سے برائی و فساد دور کرنے کی جتنی کوششیں کرتا ہے اسی کے مطابق وہ اس راہ میں آگے بڑھ سکے۔

| | |
|---|---|
| اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۞ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ (عنکبوت ۲۳) | کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا اور (ان کو بھی آزمائیں گے) سو خدا ان کو ضرور معلوم کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں۔ |

اللہ کی کسی مخلوق کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ اس نے ایسا کیوں چاہا کیونکہ اس پوری کائنات کے پورے نظام اور اس کے تقاضوں کے بارے میں مخلوق کو نہ علم ہے نہ اس کا امکان ہی ہے۔ یہ سوال نہ کوئی پختہ صاحب ایمان کر سکتا ہے نہ پختہ ملحد۔ مومن اس لیے یہ سوال نہیں اٹھائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور انسانی مزاج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر معلومات سے اچھی طرح واقف ہے اور ملحد اس لیے سوال نہیں کر سکتا کہ وہ سرے سے اللہ تعالیٰ کو ہی نہیں مانتا۔ اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرے تو ساتھ ہی وہ یہ بھی مان لے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی الوہیت کا تقاضا ہے اور یہ کہ:

| | |
|---|---|
| لَا يُسۡـَٔلُ عَمَّا يَفۡعَلُ وَهُمۡ يُسۡـَٔلُوۡنَ ۞ | وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا جبکہ دوسروں سے پوچھا جائے گا۔ |

کیونکہ وہ تنہا اپنے کام کا پورا علم اور اس پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

یہ سوال صرف ایسا شخص کر سکتا ہے جو نہ پختہ مومن ہو اور نہ پختہ ملحد،

بلکہ خرافاتی اور غیر سنجیدہ ہو، ایسی صورت میں اس کے سوال پر غور کی ضرورت ہی نہیں، البتہ اگر کوئی ایسا شخص یہ سوال کرے جو الوہیت اور اس کے خصائص سے آگاہ نہ ہو تو اسے بجائے اس سوال کا براہ راست جواب دینے کے الوہیت اور اس کے خصائص سے آگاہ کرانے کی ضرورت ہوگی۔ اب اگر وہ اسے مان لیتا ہے تو مومن ہو جائے گا اور انکار کرتا ہے تو ملحد۔ اس طرح یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، نہ کسی مخلوق کو یہ دریافت کرنے کا حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو موجودہ فطرت پر کیوں پیدا کیا، پھر اس فطرت کو ہمیشہ سرگرم کار کیوں رکھنا چاہا، اس نے انسانی زندگی میں الٰہی نظام کو برپا کرنے کے لیے انسانی طاقت کے حدود اور مادّی حالات کے دائرے میں رہ کر انسانی جدوجہد کے ساتھ مشروط کیوں کیا، اس نے اس مقصد کے حصول کے لیے کوئی معجزاتی طریقہ اور مبہم و نامعلوم ذرائع کیوں پسند نہیں کیے۔؟

ہر مخلوق کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان حقائق اور انسانی زندگی میں ان کے اثرات کا ادراک کرے، پھر ان کی روشنی میں تاریخ کے واقعات کا تجزیہ کرے، اس سے ایک طرف ان حقائق کی تاریخی اہمیت کا پتہ چلے گا دوسری طرف اس تسلسل کا سامنا کرنے، اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کے مطابق زندگی گذارنے کا سلیقہ معلوم ہوگا۔ اور اس طرح ان دونوں میں صحیح امتزاج پیدا ہوگا۔

---

یہ الٰہی نظام جس کی مکمل ترین نمائندگی اسلام کرتا ہے اور جسے لے کر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، دنیا میں اس کا نفاذ محض اللہ تعالیٰ کے یہاں سے نازل ہونے اور اس کے لفظ "کُن" سے فوراً نہیں ہو سکتا۔ نہ محض لوگوں تک اسے پہنچا دینے اور اس کی اشاعت کر دینے سے ہی اس کا نفاذ ممکن ہے۔ اور نہ ہی اس کے نفاذ کے لیے نظام افلاک وکواکب کی طرح اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے مطلق کام لیتا ہے بلکہ اس کا نفاذ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا انسانی گروہ جو اس پر مکمل ایمان واستقامت رکھتا ہو اس کام کا بیڑہ اٹھائے اور دوسروں کی زندگی اور دلوں میں اسے جاگزین کرنے کے لیے اپنی طاقت بھر کوشش اور ہر ممکن جدوجہد کرے۔ دلوں کے اندر موجود انسانی ہواؤ ہوس اور کمزوری سے جنگ کرے اور ان لوگوں کے خلاف جدوجہد کرے جن کی ہوس اور ضعف نے انھیں ہدایت قبول کرنے سے روک دیا ہو۔ ان سارے مراحل کے بعد بھی الٰہی نظام کا نفاذ انسانی فطرت، کی طاقت وصلاحیت اور مادی وسائل وحالات کے مطابق ہی ہوگا اور مومن گروہ کبھی خود اپنے نفوس اور دوسرے لوگوں کے دلوں پر غالب آئے گا اور کبھی اُسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس شکست میں جہاں جدوجہد کی کمی اور مناسب حال وسائل اختیار کرنے میں نقص کا دخل ہوگا وہیں سب سے زیادہ دخل اس بات کا ہوگا کہ خود وہ گروہ اس نظام کی کتنی صحیح نمائندگی کرتا ہے اور اسے خود اپنی زندگی میں کس قدر منطبق کرتا ہے۔

---

یہی اس دین کا مزاج اور اس کا طریق کار ہے اور یہی اس کی حرکت و

تاثیر کا طریقہ و ذریعہ بھی ہے۔ اسی حقیقت سے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان آیات میں آگاہ کرنا چاہتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط
اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو نہ بدل لیں۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۝
اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا رہتا تو روئے زمین کی حالت تباہ ہو جاتی۔

اور ــ وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط
اور جن لوگوں نے ہماری لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے۔

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے مومن گروہ کو غزوۂ احد میں بتایا جب غزوہ کے ایک مرحلہ میں مومنین کے دلوں میں اس دین کی حقیقت کی نمائندگی ذرا ماند پڑ گئی اور وہ ضرورت حال کے مطابق وسائل و ذرائع اختیار کرنے سے قاصر رہے اور جب وہ اس بنیادی حقیقت سے غافل ہو گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ مومن ہونے کے ناطے ان کی فتح قطعی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ
(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب (احد کے دن کفار کے ہاتھوں) تم پر مصیبت نازل ہوئی حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے۔

عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ۔
(آل عمران ۱۶۵)

کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آپڑی۔ کہدو کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ط مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ج ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ج
(آل عمران ۱۵۲)

اور خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا (یعنی) اس وقت جب کہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے خدا نے تم کو دکھا دیا۔ اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکم (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی۔ بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے اور بعض آخرت کے طالب اس وقت خدا نے تم کو ان (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔

اور مومنین نے غزوۂ احد میں اس حقیقت کو محض بات چیت اور ڈانٹ پھٹکار ہی کے ذریعہ نہیں جانا بلکہ سخت مصائب اور گراں بہا خون کی قیمت ادا کر کے جانا۔ فتح کے بعد شکست کا منہ دیکھنا پڑا، فائدے کے بعد نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ایسا زخم کھانا پڑا جس کا بھرنا آسان نہیں۔ سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور کتنے ہی جلیل القدر صحابہ رضؓ شہید ہو گئے اور پھر اُن سے زیادہ اور مسلمانوں کے لیے جانگسل و دلدوز واقعہ یہ پیش آیا کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجروح ہو گئے۔ آپؐ کا روئے انور زخمی ہو گیا اور آپؐ کے اگلے چار دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ اور آپؐ اس گڑھے میں جا گرے جسے قریشِ مکہ

کے حلیف ابوعمر فاسق نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کھودا تھا۔مشرکین نے آپؐ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔آپؐ کے پاس اس وقت چند ہی صحابہ تھے جو یکے بعد دیگرے آپؐ پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے۔حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تو مشرکین کے تیروں سے بچانے کے لیے آپؐ کو اس طرح ڈھک لیا کہ ان کی پشت پر تیر آآکر لگتے رہے اور وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں یہاں تک کہ مومنین شکست وسراسیمگی کے عالم میں آپؐ کے پاس جمع ہوگئے اور اس طرح انھیں اس تلخ حقیقت کا کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔

---

انسانی طاقت کی حدود میں انسانی جدوجہد کے ساتھ الٰہی نظام کے نفاذ کو مخصوص کرنے کی بہت بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے انسانی نفوس اور انسانی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے اور اس مصلحت کی حقیقت انسانی زندگی کے تجربات پر نظر ڈالنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔کسی قلب میں ایمان کی حقیقت اس وقت تک پوری طرح جاگزیں نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ اس ایمان کے سلسلہ میں لوگوں کے ساتھ جدوجہد اور کوشش نہ کرے، دل سے ان کی جاہلیت اور غلط کاموں کو ناپسند کرے اور انھیں حق واسلام کی طرف لانے کا عزم کرے۔زبان سے ان غلط کاموں کی تردید اور حق کا اثبات اور اس کی تبلیغ وتشریح کرے، ہاتھ سے راہ ہدایت میں حائل ہونے والی باغیانہ وسرکش قوتوں کے خلاف مجاہدہ کرے اور پھر اس راہ میں اگر ابتلاء وآزمائش کا سامنا کرنا پڑے تو ان پر صبر واستقامت کا ثبوت دے، کامیابی وناکامی دونوں صورتوں

میں صبر و استقلال سے کام لے اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔

کسی قلب میں ایمان کی حقیقت، جدّ و جہد کے بغیر پوری طرح اس لیے جاگزیں نہیں ہو سکتی کہ اس جد و جہد کے دوران خود اپنے نفس کے خلاف بھی مجاہدہ ہوتا ہے اور ایمان میں ایسی وسعت و کشادگی پیدا ہوتی ہے جو کہیں خاموشی و سکون کے ساتھ بیٹھے رہنے سے نہیں پیدا ہو سکتی۔ لوگوں کے تعلق سے ایسے حقائق اس پر منکشف ہوں گے جو کسی اور طریقہ سے کبھی بھی منکشف نہیں ہو سکتے۔ اور انسان اپنے نفس و احساسات، اپنے تصورات و افکار، اپنی عادات و مزاج اور اپنے شعور و جذبات کے لحاظ سے ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس دشوار گذار اور سخت مشکل تجربے کے بغیر پہنچنا ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں بھی اسی کا اشارہ کیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۝ (البقرہ ۲۵۱) | اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا رہتا تو روئے زمین کی حالت تباہ ہو جاتی۔ |

جمود سے دلوں میں خرابی پیدا ہوتی ہے، روح پراگندہ ہوتی ہے، ہمت و حوصلہ پست ہوتا ہے اور انسان، ثروت و تعیّش کے چکر میں پڑ جاتا ہے اور اس طرح پوری زندگی ہی پراگندگی کا شکار ہو جاتی ہے یا پھر جمود کے بجائے انسانی نقل و حرکت صرف شہوات کے میدان تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے جیسا کہ دولت و ثروت اور خوش حالی کے بعد اقوام عالم کے ساتھ پیش آتا رہتا ہے۔

اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے

انسان کو پیدا کیا ہے اس کی بھلائی انسانی زندگی میں الٰہی نظام کو انسانی طاقت کی حدود میں رہ کر اور انسانی جد و جہد کے طریقے سے نافذ کرنے کی جد و جہد ہی میں پوشیدہ ہے۔ پھر اس مجاہدے اور اس کے ساتھ آنے والی ابتلاء و آزمائش کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ دلوں کی صفائی کے ساتھ ساتھ اپنی صفوں کی تطہیر بھی ہوتی رہتی ہے اور ناکارہ و پست ہمت اور کمزور دل و دماغ کے افراد کے ساتھ مکار، ریاکار اور منافق افراد خود بخود چھٹتے چلے جاتے ہیں۔

غزوۂ احد کے بعد مسلمانوں کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ کیا اور کیوں کر ہوگیا؟ اللہ تعالیٰ نے یہی حقیقت ذہن نشین کرانی چاہی ہے:۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران۔ ۶۵)

آپ کہہ دیجئے کہ سب تمہاری اپنی ذات سے ہوا ہے۔

وَمَآ أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ صلے (آل عمران ۱۶۶)

اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو خدا کے حکم سے (واقع ہوئی)، اور (اس سے) یہ مقصد تھا کہ خدا مومنوں کو اچھی طرح معلوم کر لے اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ (آل عمران ۱۷۹)

(لوگو! جب تک خدا ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں

| | |
|---|---|
| اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ ؕ | کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ |
| وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ | بنائے اور خدا بے انصافوں کو پسند نہیں |
| وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | کرتا اور یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں |
| وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ | کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو |
| (آل عمران ۱۴۰) | نابود کر دے۔ |

ان آیتوں کا مقصد یہی ہے کہ اہل ایمان کو یہ احساس بخوبی دلا دیا جائے کہ ان کی شکست کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے غزوہ کے مختلف مراحل میں ایمان کی حقیقت کے مکمل شعور اور کامل نمائندگی میں کوتاہی برتی۔ اس طرح اس شکست کا انجام خدا کے فضل سے اہلِ ایمان کے حق ہی میں ہوا اور اس کے نتائج کو ان کی تعلیم و تربیت اور ان کی صفوں کی تطہیر کا ذریعہ بنایا گیا اور نتیجہ کے طور پر یہ شکست اہلِ ایمان کے لیے خیر ہی ثابت ہوئی۔

اسلام کے مزاج و طریق کار کے بارے میں یہاں ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس الٰہی نظام کے نفاذ کا دارومدار مختلف ماحول اور مراحل میں انسانی طاقت اور مادّی حالات کے مطابق خود انسانی جدوجہد پر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان اسی کو سب کچھ سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و تدبیر اور اس کی مدد و توفیق کو یکسر فراموش و نظر انداز کر دے۔ کیونکہ اس طرح کا تصور اصولی طور پر اسلامی نظریے کے مزاج ہی کے خلاف ہے۔

اس کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ ہدایت کے لیے جدوجہد کرنے والے کی مدد اللہ تعالیٰ کس طرح کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت ۶۹)

اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھادیں گے۔

اور یہ کہ جب لوگ اپنے حالات کو بدلتے ہیں تو وہ کس طرح ان کے مجموعی حال کو بدل دیتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد ۱۱)

اللہ تعالیٰ اس وقت کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے آپ کو نہ بدل لیں۔

ان دونوں آیتوں سے انسانی جدوجہد اور اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق کے مابین ربط و تعلق واضح ہوجاتا ہے اور انھیں دونوں کے اکٹھا ہونے کے بعد انسان خیر و ہدایت اور صلاح و فلاح سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ آخری طور پر الٰہی ارادہ ہی اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے بغیر انسان خود سے کچھ بھی حاصل نہیں کرسکتا لیکن یہ ارادۂ الٰہی اسی کے لیے معین و مددگار ثابت ہوتا ہے جو اس کے طریقہ سے واقف و آگاہ، اس کی مدد کا خواستگار اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسی کی راہ میں جدوجہد کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں پورے اترنے والوں کے لیے سرخروئی اور بھلائی مقدر کر رکھی ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جسے غزوۂ احد کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ذہن نشین کرانا چاہا کہ فتح و شکست خود ان کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس آزمائش میں پنہاں حکمت کا انکشاف کرتا ہے:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ

اور خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا (یعنی) اس

وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ج ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ج

(آل عمران ۔۱۵۲)

وقت جب کہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے خدا نے تم کو دکھا دیا اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکم (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے اور بعض آخرت کے طالب ۔ اس وقت خدا نے تم کو ان (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے ۔

پھر اپنی سنت و مشیت کا ذکر کرتا ہے :۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ج وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ٥

(آل عمران ۱۴۰)

اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے اور خدا بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے ۔

اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ واقعات کے اسباب کے

پیچھے آخری فیصلہ کن طاقت مشیّت و قدرتِ الٰہی ہے اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہی اس کی شان ہے۔ یہی ایمان کی حقیقتِ عظمیٰ ہے جس کی تکمیل دل میں اسے جمائے اور اس پر مکمل اطمینان کے بغیر نہیں ہو سکتی اور یہ تکمیل اس دین کے مزاج اور اس کے طریقِ کار کی بنا پر لازمی ہے۔

---

دوسرا باب

# واحد راہ

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اسلام ہی انسانی زندگی کے لیے واحد راہ ہے، پھر بھی دنیا میں اس کے برپا ہونے کا دار و مدار انسانی طاقتوں اور مختلف ماحول کے مادّی حالات کے مطابق انسانی جدوجہد ہی پر ہے تو ان دوسرے نظامہائے حیات پر اسے کیا امتیاز حاصل ہے جو انسان کے خود ساختہ ہیں اور جن کے ذریعہ انسان اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں تک انسانی طاقت و وسائل اور جدوجہد سے پہنچنا ممکن ہے۔ اگر اسلام بھی دوسرے نظاموں کی طرح انسانی فطرت و طاقت اور مادی حالات کا تابع ہے، اس کے لیے بھی انسانی جدوجہد کی ضرورت ہے اور اس کا نفاذ کسی معجزہ یا اللہ تعالیٰ کے کسی قطعی و لازمی حکم کے ذریعہ نہیں ہو سکتا تو ہم اسی نظام کو برپا کرنے کے لیے جدوجہد کیوں کریں۔؟

---

اسلام کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے اس نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد لازمی ہے۔ اسلام کی اولین بنیاد یہ ہے کہ ہم اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ خدا کی وحدت کی گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے الوہیت کو خاص سمجھا جائے اور

اس کی کسی بھی خاصیت میں اس کے کسی بندے کو شریک نہ کیا جائے، پھر الوہیت کی سب سے اہم خصوصیت حاکمیت مطلق ہے جس سے بندوں کے لیے قانون سازی، راہِ حیات کی تعیین اور زندگی کے بنیادی اقدار کو متعین کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کی شہادت اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس بات کو بخوبی ذہن نشین نہ کر لیا جائے کہ انسانی زندگی کے لیے راہ حیات متعین کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہے۔ جو بھی کسی انسانی گروہ کے لیے راہِ حیات وضع کرنے کے حق کا دعویٰ کرتا ہے وہ گویا اس گروہ کے لیے الوہیت کے حق کا دعویدار ہے۔ کیونکہ الوہیت کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اب جو شخص اس دعوے کو تسلیم کرتا ہے وہ گویا خدا کے سوا اسے اپنا معبود بناتا ہے کیونکہ وہ اس شخص یا گروہ کے اندر الوہیت کی سب سے بڑی خصوصیت کی موجودگی کا اعتراف کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول ماننے کا مطلب اس بات کی تصدیق کرنا ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم تک جو نظام حیات پہونچایا ہے وہی انسانی زندگی کے لیے حقیقی راہ ہے۔ اور اسی کو خود اپنی اور نوعِ بشر کی زندگی میں برپا کرنے کے ہم پابند ہیں۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم جس اسلام کے دعویدار ہیں اسے ثابت کرنے کے لیے اس نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد ہمارے لیے لازمی ہے اور اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی گواہی دیں اور یہ گواہی اس وقت تک مکمل نہیں قرار دی جا سکتی جب تک ہم الوہیت اور نظام حیات وضع کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہ کریں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کو برپا کرنے کی کوشش

نہ کریں۔

اس راہ کی اپنی خصوصیات وامتیازات کی بنا پر بھی ہم اسے برپا کرنے کی جدوجہد کے پابند ہیں۔ یہی وہ واحد راہ ہے جو انسانی عظمت وکرامت کا احترام کرتے ہوئے اسے حقیقی آزادی دیتی ہے۔ یہی وہ واحد راہ ہے جو انسانوں کی بندگی سے نجات دلاکر خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دیتی ہے اور اس طرح انسان کو۔ انسانیت وعبودیت کے دائرے میں۔ مکمل اور عام آزادی عطا کرتی ہے۔ اسلام کے سوا روئے زمین پر کوئی بھی نظام اس خصوصیت کا حامل نہیں ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے الوہیت اور قانون سازی کا حق خاص کر کے ایک خدا اور ایک آقا کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے اور اس بات کو مسترد کر دیتا ہے کہ کچھ انسانوں کو دوسرے انسانوں پر حاکمیت، آقائیت اور الوہیت کا حق حاصل ہو۔ اپنی اس خصوصیت میں یہ الٰہی نظام محض لفظی دعوے کے اعتبار ہی سے منفرد نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ بھی یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا واحد مقصد یہی تھا کہ الوہیت کو خدائے واحد کے ساتھ خاص کیا جائے اور ان بندوں میں اس کی کسی خصوصیت کے وجود کے دعوے کو مسترد کر دیا جائے جو الوہیت اور بندوں کے لیے نظامِ حیات وضع کرنے کے حق کے دعویدار ہوں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے انکار کرنے والے افراد ان کے اس دعوے کو تسلیم کرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ انھوں نے اپنے علماء و مشائخ اور مسیح ابن مریم

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْآ اِلَّا لِيَعْبُدُوْآ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ (التوبہ ۳۱)

کو اللہ کے سوا خدا بنایا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک، مقرر کرنے سے پاک ہے۔

یہود و نصاریٰ اپنے دینی پیشواؤں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ صرف یہ تسلیم کرتے تھے کہ خدا کے سوا ان کو بھی تشریع اور حیات کی تعیین کا حق حاصل ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے معبود بنا لینے سے تعبیر کیا اور توحید کی مخالفت کی بنا پر انھیں مشرک قرار دیا۔

امام احمد و ترمذی و ابن جریر نے مختلف سلسلوں سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہونچی تو وہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ انھوں نے ایامِ جاہلیت میں نصرانی مذہب قبول کر لیا تھا۔ ان کی بہن اور قبیلے کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہن کو ازراہ عنایت رہا کر دیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس واپس پہنچیں تو انھیں اسلام کی رغبت دلائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا شوق دلایا۔ حضرت عدی مدینہ پہنچے۔ آپ قبیلہ طےؔ کے سردار اور مشہور سخی حاتم طائی کے فرزند تھے۔ لوگوں میں آپ کی آمد کا چرچا ہوا۔ جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے گلے میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (التوبہ ۳۱)

انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوا خدا بنایا۔

حضرت عدی نے عرض کیا کہ وہ اپنے پجاریوں کی عبادت تو نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پجاریوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا اور یہود و نصاریٰ نے اس کی اتباع کی، یہی ان کی عبادت ہوئی۔ انہوں نے کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال کر انسانوں سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ج (التوبہ ۳۱)

انھیں صرف خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔

یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دیا تھا وہ حرام تھی اور جس کو حلال قرار دیا تھا وہ حلال، اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قانون کی اتباع لازمی اور اس کے حکم کا نفاذ بہر صورت ضروری تھا۔

یہ تنہا اسلام ہی ہے جو انسانوں کی غیر اللہ کی عبادت سے نجات دلاتا ہے اور اس کی بنیاد پر ہم دوسرے نظاموں کو چھوڑ کر اسی کے نفاذ کے لیے جدّ و جہد کے پابند ہیں۔

ہم اس لیے بھی اس نظام کے نفاذ کی جدوجہد پر مجبور ہیں کہ الٰہی نظام ہونے کی بنیاد پر یہی واحد نظامِ حیات ہے جو انسانی ہوا و ہوس، ضعف اور ذاتی نفع کے لیے انسانی رغبت سے پیدا ہونے والے نتائج سے پاک و صاف ہے کیونکہ اگر کوئی

انسان ایک نظام وضع کرتا ہے تو اس میں اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنے طبقہ اور اپنی قوم ونسل کے مفادات کا لحاظ رکھتا ہے، اسلام ان نقائص سے پاک ہے کیونکہ اسے وضع کرنے والا اللہ تعالیٰ تمام بنی نوع انسان کا یکساں رب ہے۔ وہ نہ تو اس لیے نظام وضع کر سکتا ہے کہ اپنے آپ کو ترجیح دے، نہ اس لیے کہ کسی طبقہ کو دوسرے طبقہ پر، کسی قوم کو دوسری قوم پر، اور کسی نسل کو دوسری نسل پر ترجیح دے۔ انسانی قانون جسے کوئی فردِ واحد برسرِ اقتدار گروہ و طبقہ یا حکمراں قوم ونسل وضع کرے گی اس کا انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہوا و ہوس اور قانون سازی کی مصلحتوں کی رعایت سے خالی ہونا محال ہے۔ لیکن الٰہی نظام میں یہ نقص نہیں پایا جاتا بلکہ عام حقیقی اور مکمل عدل پایا جاتا ہے جو کسی غیر الٰہی نظام میں ناممکن ہے۔

یہاں کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس ہمہ گیر عدل کے بارے میں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

(المائدہ ۸)

اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو، کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔ اور خدا سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔

اس کی کیا ضمانت ہے کہ مومن گروہ اس کے حصول کی راہ میں کسی ذاتی غرض اور

قرابت و رشتہ داری وغیرہ کی عصبیتوں سے متاثر نہیں ہوگا۔؟

اسلامی نظام کی حقیقی ضمانت تو مومن کے قلب وضمیر میں پنہاں ہے اور ایمان کے سرچشمہ سے نکلتی ہے جہاں اس دین پر ایمان پایا جائے گا وہیں اس کی مضبوط ترین ضمانت بھی ملے گی۔ اہل ایمان یہ جانتے ہیں کہ ان کے وجود، غلبہ اور دنیا میں برسر اقتدار آنے کا دار و مدار ہی اسی بات پر ہے کہ وہ ان خدائی احکامات کو پوری طرح بجالائیں ورنہ دوسری صورت میں انھیں زوال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کی فتح، شکست میں بدل جائے گی۔ ان کی ساکھ اور ہوا اُکھڑ جائے گی، اور وہ ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واضح طور پر اعلان فرماتا ہے:۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

(الحج ۴۰، ۴۱)

اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے بیشک خدا توانا اور غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اور انھیں یقین ہے کہ اگر وہ راہ راست سے منحرف ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کی حمایت و مدد سے دستکش ہو جائے گا۔

اہل ایمان کا گروہ سارے احکاماتِ الٰہی کے نفاذ کی حقیقی ضمانت ہے اور وہ اپنے لیے ان چیزوں کو ناگزیر سمجھتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے لازم قرار دیا ہے اس

سلسلہ میں کسی سستی اور کمی کے نتیجہ میں اسے بُرے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس طرح ہم الٰہی نظام کو برپا کرنے کے لیے جدوجہد کے پابند اس لیے بھی ہیں کہ اس ہمہ گیر عدل کو حاصل کیا جا سکے جس کا حصول اور کسی نظام کے سایے میں ناممکن ہے۔

اس لیے بھی اس نظام کو برپا کرنے کی جدوجہد لازمی ہے کہ یہی وہ واحد نظام ہے جو انسانی جہل و تنگ نظری اور انسانی خامکاری و ضعف کے اثرات و نتائج سے پاک وصاف ہے کیونکہ اسے وضع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو بخوبی جانتا ہے کہ انسان کے لیے کیا چیز مناسب ہے اور کیا نہیں۔ انسانی زندگی اور اس کی تکوین و ترکیب کے راز ہائے دروں پردہ اس کے لیے بالکل عیاں ہیں اور وہ کائنات و زمین کے تمام بھیدوں سے آگاہ ہے۔ اگر وہ بنی نوع انسان کے لیے کوئی نظام وضع کرتا ہے تو ان سارے عوامل کا لحاظ رکھے گا جن سے آگاہ رہنا انسان کے لیے انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے محال ہے۔ اس لیے کہ ان عوامل سے واقفیت کے لیے انسانی زندگی کے ان تمام تجربوں اور ظاہری نتائج کا علم ضروری ہے جو ماضی میں پیش آچکے ہوں، حال میں پیش آرہے ہوں اور مستقبل میں پیش آنے والے ہوں۔ اور یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ انسان سے متعلق کائنات کے تمام رازوں سے واقفیت حاصل ہو اور یہ اس لیے ناممکن ہے کہ انسان اپنی ذات کے بارے میں تجربوں اور نتائج سے آگاہی کے باوجود بھی صحیح فیصلے کا ادراک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی فطرت جزئیت پسندی پر مجبور ہے پھر وہ انسانی خواہشات اور دوسری کمزوریوں سے بھی متاثر ہوتا ہے اس طرح وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ بنی نوعِ انسان کے لیے کوئی نظام وضع کر سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ۔ (المؤمنون ۷۱)

اور اگر (خدائے برحق) ان کی خواہشوں پر چلے تو آسمان اور زمین سب درہم برہم ہو جائیں۔

اور ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الجاثیہ)

پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر (قائم) کر دیا تو اسی پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو۔

انسان کو وہ مطلق علم حاصل ہی نہیں جو انسانی زندگی کے لیے کوئی نظام وضع کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اب اگر وہ ایسا کوئی کام کرتا ہے جو اس کی شان سے بلند ہے اور جس میں اسے کوئی خصوصیت و امتیاز حاصل نہیں تو صرف الوہیت کی ایک خصوصیت کے دعوے اور جہالت و ہوائے انسانی کے علاوہ انسانوں کو کیا مل سکے گا، جبکہ یہ دعویٰ نہ صرف ایک گناہِ عظیم بلکہ انتہائی شر انگیز بھی ہے۔

---

الٰہی نظام کے نفاذ کی کوشش اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہی واحد نظام ہے جو انسانی وجود، اس کی قدر و منزلت اور اس کے وجود کے حقیقی مقصد کی مکمل تفسیر و تشریح کی بنیاد پر قائم ہے اور وہ بھی حقیقت کے عین مطابق نہ کہ کسی دوسرے نظام کی طرح انسانی ضعف و جہالت اور خواہشات کے سانچے میں ڈھال کر۔ اور یہی انسانی زندگی کی فطری بنیادوں پر کسی نظام کے قیام کے لیے واحد سیدھی اور مستحکم بنیاد ہے۔ دنیا کے دیگر نظامہائے حیات نہ تو اس کمال و خوبی کے ساتھ انسانی زندگی کا احاطہ کرتے ہیں نہ ان کی بنیاد فطری اصولوں پر ہوتی ہے، بلکہ

یہ سارے نظام مصنوعی اور ان کی زندگی محدود و مختصر ہوتی ہے۔ جب تک یہ نظام قائم رہتے ہیں انسانیت کی بدبختی کا باعث بنے رہتے ہیں یہاں تک کہ خود انسانی فطرت ان کی دیواروں کو ڈھاکر اپنے اصل اور سیدھے راستے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

انسانی زندگی کی جو تفسیر الٰہی نظام پیش کرتا ہے وہ ہی صحیح تفسیر ہے کیونکہ وہ انسان کے خالق اور انسانی وجود کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ذات کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ انسان کے وجود، اس کی قدر و منزلت اور اس کے مقصد کی جو بھی تفسیر کی جائے گی وہ انسان کی خود ساختہ اور ناقص ہوگی کیونکہ انسانی وجود خود انسان سے عظیم تر ہے اس لیے اس کی مکمل تفسیر و تشریح انسان کی دسترس سے باہر ہے، پھر انسانی وجود کے مقصد کی تعیین کے لیے جہاں اس کے خالق اور اس کے مقصدِ تخلیق سے واقفیت ضروری ہے وہیں اس کے لیے ہوائے نفس سے خالی ہونا بھی ضروری ہے جو انسان کے لیے ہرگز ممکن نہیں۔

انسانی وجود اور اس کی قدر و منزلت کے بارے میں اگر فلسفہ کی طرف رجوع کیا جائے تو عجیب مضحکہ خیز باتیں سامنے آتی ہیں جنھیں دیکھ کر انسان حیرت و استعجاب میں پڑ جاتا ہے کہ ایک فلسفی اس طرح کی باتیں کیسے کہہ سکتا ہے۔ مگر یہ کہ فلسفی بھی انسان ہی ہوتا ہے اور اس کے پاس بھی انسانی عقل ہی ہوتی ہے جبکہ یہ میدان انسانی عقل کی جد و جہد کا ہے ہی نہیں ــــ فلاسفہ کی یہ جماعت ایسے میدان میں جا پڑتی ہے جہاں اسے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ اگر کچھ موہوم خیال ان کے دل و دماغ میں پیدا بھی ہوتا ہے تو وہ دوسرے میدان سے متعلق ہوتا ہے

انسان کے غور و فکر کا میدان انسانی زندگی اور زمین میں اس کی خلافت ہے ـــــ خلافت الٰہی کے نظام کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور فضل و توفیق سے آگاہی کے ساتھ ـــــ جس میں انسانی وجود اور اس کے مقصد کی مکمل تفسیر ہوتی ہے۔

اس طرح ہم اس نظام کے نفاذ کے لیے جد و جہد کرنے پر اس لیے بھی مجبور ہیں کہ انسانی زندگی کا نظام فطری اصولوں پر استوار ہو۔ کسی دوسرے نظام میں یہ لازمی خصوصیت بھرپور نہیں پائی جاتی۔

---

اس لیے بھی اس نظام کے نفاذ کی کوشش ضروری ہے کہ یہی وہ واحد نظام ہے جو پوری کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ انسان کسی ایسے نظام کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا جو اس نظام کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو کیونکہ وہ اسی کائنات کے دائرے میں رہنے اور اسے پوری طرح برتنے پر مجبور ہے، پھر انسانی زندگی کے نظام اور کائنات کے نظام میں ہم آہنگی سے انسان نہ صرف حیران کن کائناتی قوتوں کے ساتھ تصادم سے بچ جاتا ہے بلکہ اسے ان کا تعاون حاصل ہو جاتا ہے ورنہ تصادم کی صورت میں انسان کے پرخچے اُڑ جاتے ہیں اور پھر وہ خدا کی مرضی کے مطابق زمین میں خلافت کا فرض ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر نظامِ کائنات سے انسانی زندگی کا نظام ہم آہنگ ہو تو کائنات کے اسرار و رموز اس پر کھلتے ہیں، کائنات کی تسخیر اور اس سے استفادہ کا دروازہ کھلتا ہے اور کائنات کی آگ میں جلنے کے بجائے وہ اس سے گرمی، روشنی اور دیگر فوائد حاصل کرتا ہے۔

درحقیقت انسانی فطرت کائنات کے نظام کے ساتھ قدرتی طور پر ہم آہنگی

رکھتی ہے اس لیے جب بھی انسان اپنی زندگی کے نظام کو اس دائرے سے الگ کرتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ کائنات کے نظام کے ساتھ ٹکراتا ہے بلکہ خود اپنی فطرت کے ساتھ بھی نبرد آزما ہو جاتا ہے اور اس کا وجود پاش پاش ہو کر بدبختی کا عبرتناک نمونہ پیش کرنے لگتا ہے۔ آج انسانی زندگی اپنی تمام تر علمی فتوحات اور مادی وثقافتی وسائل وسہولتوں کے باوجود جس عذاب وبے چینی میں گرفتار ہے وہ اس کی نمایاں مثال ہے، پھر اس تصادم کے نتیجہ میں انسان صرف اضطراب وبے چینی ہی کا شکار نہیں ہوتا بلکہ حقیقت سے فرار کے لیے افیون، بھنگ اور دیگر نشہ آور اشیاء بھی استعمال کرنے لگتا اور اس طرح انتہائی تیزی کے ساتھ احمقانہ تباہی کے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے، مادی خوشحالی، کثیر پیداوار، زندگی کی سہولتوں کی فراوانی کے ساتھ اس کی بےچینی و پریشانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ مسلسل اضطراب و بےچینی سے فرار کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے لیکن کامیابی صفر کے برابر ہی رہتی ہے۔

جو شخص بھی امریکہ و سویڈن وغیرہ دولت منداور ترقی یافتہ ممالک میں جائے گا اس کا پہلا تاثر یہی ہوگا کہ یہ لوگ اپنے آپ سے فرار کی کوششوں میں مصروف ہیں اور مادی ثروت اور جنسی آلودگی وغیرہ کی دلدلوں میں اس طرح پھنس کر رہ گئے ہیں کہ اعصابی ونفسیاتی امراض، جنسی بے راہ روی، اعصابی تناؤ، مرض وجنون، جرائم پسندی اور ہر قابل احترام انسانی تصور سے محرومی ان کا مقدر بن گئی ہے۔

انسان کے سائنس کے ذریعہ جسمانی علاج وصحت کے میدان میں شاندار

کامیابیاں حاصل کی ہیں، ایسی دوائیں اور تشخیص وعلاج کے ایسے وسائل وآلات ایجاد کرلیے گیے ہیں جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے صنعتی میدان میں محیّر العقول کارنامے انجام دیے جا چکے ہیں۔ اور پیش رفت برابر جاری ہے۔ فضا کے رازہائے دروں پردہ کا انکشاف ہوتا جارہا ہے۔ مصنوعی چاند، خلائی اسٹیشن اور خلائی گاڑیاں بنالی گئی ہیں اور ابھی ان میدانوں میں تیزی کے ساتھ ترقی جاری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود انسانی زندگی اور نفسیات پر اس کا کیا اثر پڑ رہا ہے۔ کیا اس کی داخلی زندگی کو سعادت وسکون حاصل ہوگیا ہے۔ کیا اُسے امن و سلامتی حاصل ہوگئی؟ نہیں بلکہ ان سب کے نتیجہ میں اس کی بدبختی اور خوف و بےچینی میں کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا ہے، انسانی وجود اور انسانی زندگی کے مقصد کی طرف اس نے کوئی پیش قدمی نہیں کی ہے۔ اور اگر اسلامی تصور کے مطابق "مہذب انسان" کے مقصدِ وجود پر غور کیا جائے تو یہ تہذیب ایک لعنت نظر آتی ہے جس نے انسانی شعور پر اپنا منحوس سایہ ڈال رکھا ہے اور انسان کی انسانیت اور اس کا فکر وشوق سب ماند پڑ گیا ہے۔

ان "تہذیب یافتہ" ممالک میں لوگ نئے معبودوں کی پرستش کرنے لگے ہیں اور اسی کو انسانی وجود کا مقصد ومنتہا سمجھتے ہیں، یہ نئے معبود ہیں:— دولت، لذت وشہوت، شہرت ونام ونمود اور ایجاد واختراع۔ خود ان کا اپنا انسانی وجود گم ہوکر رہ گیا ہے کیونکہ اپنے وجود کا ان کے سامنے کوئی مقصد ہی نہیں، دوسری جاہلیتوں میں بھی تو یہی ہوتا ہے کہ حقیقی معبود کو نہ پاکر لوگ دوسرے معبودوں کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔

لہٰذا الٰہی نظام کے بر پا کرنے کی کوشش اس لیے بھی لازمی ہے کہ انسانیت کو اس کے واحد معبود تک اس کے بلند تر انسانی مقام کے مطابق مقصد وجود تک اور فطری نظام تک پہنچا سکیں، جہاں کائنات اور اس کے نظام میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا اسی حقیقت کو قرآن کریم نے بار بار دُہرایا ہے۔ اس نے ان لوگوں کے طریقے کو غلط بتایا جو غیر اللہ کی شریعت کو فیصلہ کن سمجھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ | کیا یہ (کافر) خدا کے دین کے سوا کسی اور دین |
| وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ | کے طالب ہیں، حالانکہ سب اہل آسمان و |
| وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ | زمین خوشی یا زبردستی سے خدا کے فرماں بردار |
| يُرْجَعُوْنَ ۝ (اٰل عمران ۸۳) | ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ |

تیسرا باب

# آسان راہ

یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اس بلند اور منفرد نظام پر انسانیت زیادہ دنوں تک نہیں جم سکی ۔ وہ گروہ جس نے اس نظام کو دنیا میں برپا کیا تھا کچھ ہی دنوں کے بعد اس میں اضمحلال پیدا ہو گیا اور اس کے بعد انسانیت دوسرے نظاموں کی طرف مائل ہو گئی جو اس بلند مقام تک تو بلا شبہ نہیں پہونچتے تھے مگر ان کے لیے اتنی جدّو جہد اور مشقت کی بھی ضرورت نہیں تھی ۔ بادی النظر میں یہ اعتراض صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ بہت سے اہل قلم نے دلوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ نظام غیر علمی اور غیر واقعی ہے اس لیے انسانی فطرت اُسے بہت دنوں تک برداشت نہیں کر سکتی ۔ یہ صرف ایک "مثالی" اور ناقابل عمل دعوت ہے لیکن اس نظریے کے پیچھے خود غرضی اور مکاری پنہاں ہے ۔ یہ لوگ انسانوں کے دلوں میں اس نظام کے سایے میں زندگی کی تشکیلِ نو کے بارے میں مایوسی پیدا کرنا اور ان کوششوں کو ناکام بنانا چاہتے ہیں جو انسانیت کو اس مستحکم نظام کی طرف لے جانے کے لیے صَرف کی جا رہی ہیں ۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کے المناک واقعہ اور اس کے

جولوگ اس نظام کے نفاذ کے امکان کے بارے میں خود شک میں بتلا ہیں اور دوسروں کو بھی شک میں مبتلا کررہے ہیں وہ اس نظام کی "اخلاق پسندی" اور اس کے اخلاقی مزاج سے گھبراتے ہیں۔ انھیں اس "اخلاقیت" کی ذمہ داریوں سے خوف محسوس ہوتا ہے اور وہ انھیں ایسی قیود سمجھتے ہیں جن میں انسانی خواہشات اور فطری تقاضوں اور امنگوں کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا ہو لیکن یہ ایک ایسا وہم ہے جو اس دین کے مزاج کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی "اخلاق پسندی" محض سخت قیود وضوابط کے مجموعہ کا نام نہیں ہے، بلکہ دراصل وہ ایک تعمیری قوت اور ایسی تحریک ہے جو انسان میں آگے بڑھنے کی قوت پیدا کرتی ہے اور جس سے اسے لطیف وخوبصورت ڈھنگ سے خود اپنی ذات کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

اس نظام میں عمل و ایجابیت کا نام ہی اخلاق ہے۔ تعطّل وسلبیت کو وہ غیر اخلاق قرار دیتا ہے کیونکہ تعطل وسلبیت، انسانی وجود کے مقصد کے منافی ہے اور وہ مقصد اسلام کے تصور کے مطابق زمین میں خلافت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت وطاقت کو تعمیر میں لگانا ہے۔ اخلاق نام ہے نیکی کے نفاذ اور برائی کو ختم کرنے کی کوشش کا، جس میں انسان کے وجود کی بنیادی صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں۔ اور اسلام کی نظر میں یہ ایک ایسی طاعت ہے جس میں اخلاقی پہلو اپنی انتہائی حسین شکل میں موجود ہے، پھر جب ہم ان اخلاقی پہلوؤں کو جو بظاہر قید وبند نظر آتے ہیں، غور سے دیکھتے ہیں تو وہ سراسر آزادی وحرکت نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ناجائز جنسی خواہشات سے نفس کو روکنے کا مسئلہ لیجیے۔

بظاہر یہ ایک پابندی ہے لیکن درحقیقت اس سے ایک طرف شہوات کی غلامی اور اُن کے جال سے آزادی ملتی ہے دوسری طرف انسان کو اس طرح سربلندی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اسلامی نظافت کی وسیع تر حدود اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ طیبات کے دائرے میں اپنی جنسی تقاضوں کی تکمیل کی جگہوں کا انتخاب کرتا ہے۔

اسی طرح ایثار کو لیجئے، بظاہر یہ نفس کو تکلیف دینا اور دوسروں کو ترجیح دینے کے لیے ہر ایسی چیز سے لطف اندوز ہونے سے اپنے آپ کو روکنا ہے جو دسترس میں ہو لیکن یہ دراصل کنجوسی و بخل سے آزادی، حرص و لالچ پر غلبہ اور عام نیکی و بھلائی کے شعور کی وسعت کا نام ہے جو تنہا اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتی۔ اس طرح درحقیقت قید و بند کے بجائے آزادی و کشادگی ہے۔ یہاں زیادہ مثالیں پیش کرنے کی گنجائش و ضرورت نہیں بلکہ مختصراً اسلامی نظام کی اخلاقی قیود کی حقیقت کو سمجھانا مقصود ہے۔

اسلام گناہوں اور ذلیل و مذموم اعمال کو قید و بند اور ایسی بیڑیاں قرار دیتا ہے جو انسانی نفس کو جکڑ لیتی ہے اور اسے گراں بار کر کے گندگی کی دلدل میں گرا دیتی ہیں؛ ان مہلک پھندوں سے بچنے کو وہ آزادی قرار دیتا ہے۔ اسلام کی ساری "اخلاقیت" اسی بنیادی اصول پر قائم ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ انسانی فطرت میں خیر کی صلاحیت و استعداد موجود ہے کیونکہ انسان کو بہترین شکل و اوصاف کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اور جب وہ غیر الٰہی نظام قبول کرتا ہے تو انتہائی پستی میں جا گرتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيٓ      ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا

اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۝ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ۝ (التین ۳، ۴، ۵)

کیا پھر (رفتہ رفتہ) اس کی (حالت) کو (بدل کر) پست سے پست تر کر دیا۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

اس طرح واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی فطرت کا لحاظ کرنے والا نظام وہ ہے جو نفس انسانی کو اس کی نیک فطرت پر طاری ہونے والی قید و بند سے آزادی و نجات دلاتا اور شہوات کے پھندوں سے بچنے میں اس کی مدد کرتا ہو۔

اسلام انسانی معاشرے کی رہبری اور نگہبانی چاہتا ہے تاکہ ایسا ماحول پیدا کر سکے جس میں افراد کی فطرت سے انحراف بچایا جا سکے اور فطرت میں پنہاں خیر کی قوتوں کو ظہور اور غلبہ کا موقع مل سکے۔

اسی طرح فطرت اور نیکی کے راستے کے درمیان حائل دشواریوں اور رکاوٹوں کو دور کیا جا سکے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی "اخلاق پسندی" انسانی نفس پر بھاری بوجھ ہے اور جسے زندگی میں برپا کرنا ممکن نہیں وہ یہ احساس ان حالات سے حاصل کرتے ہیں جن سے ایک ایسے معاشرے میں رہنے والا مسلمان دو چار ہوتا ہے جس پر اسلام کا غلبہ نہ ہو۔ جب ایسی صورت حال ہو تو اسلام اپنی "اخلاقیت" کے ساتھ عملاً بھاری بوجھ بن جاتا ہے اور گندے جاہلی معاشرے میں اپنے پاکیزہ اسلام کے ساتھ رہنے والے افراد کے لیے گھٹن و ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے لیکن ایک عملی نظام ہونے کی حیثیت سے اسلام یہ سمجھتا ہے کہ جو لوگ اسلامی نظام کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں وہ ایسے معاشرے میں

رہتے ہوں گے جس پر اسلام کا غلبہ ہو اور ایسے معاشرے میں خیر، بھلائی اور نظافت و پاکیزگی ایسی عام معروف چیزیں ہوں گی جن سے اس معاشرے کا ہر فرد نہ صرف واقف و آگاہ ہوگا بلکہ ان کا پابند بھی ہوگا۔ دوسری طرف برائی، بدی اور گندگی ایسی ناپسندیدہ چیزیں ہوں گی جنھیں معاشرہ کی تمام غالب قوتیں ختم کرنے اور پسپا کرنے کے درپے ہوں گی۔ جب صورتحال ایسی ہو جائے گی تو اسلامی نظام حیات انتہائی آسان ہو جائے گا بلکہ بعض افراد کی طرف سے اس نظام کی مخالفت، شہوات میں پڑنے کی کوشش اور گندگی و برائی سے وابستگی و آلودگی انتہائی دشوار ہو جائے گی۔ کیونکہ اس وقت معاشرے کی تمام غالب قوتیں انسان کی فطرتِ سلیمہ کی قوتوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں کی راہ میں حائل ہو جائیں گی اور ان کے انحراف کے راستے کو سخت دشوار گذار بنا دیں گی۔

اسی لیے اسلام چاہتا ہے کہ انسانوں پر مطلق غلبہ و تسلط صرف اللہ اور الٰہی نظام کو حاصل ہو، کسی مخلوق یا غیر اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے غلبہ کو مطلق حرام قرار دیتا اور اسے صریح کفر و کامل شرک سمجھتا ہے۔ اسلام کی صرف ایک ہی تصویر ہے اور وہ ہے الوہیت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا۔ دوسرے لفظوں میں الٰہی نظام کو حیاتِ انسانی پر غلبہ کے لیے خاص کرنا۔ کیونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت کے یہی معنیٰ ہیں۔ اسلام ایک ایسے اسلامی معاشرے کے قیام کو ضروری قرار دیتا ہے جس کے سایے میں مسلمان اپنے دین اور دینی اخلاق کے ساتھ زندہ رہ سکے۔ انسانی وجود اور اس کے مقصد کے بارے میں اسلام کا تصور تمام جاہلی تصورات سے بنیادی طور پر مختلف ہے اور وہ تمام تصورات

جاہلی ہیں جنھیں انسان کسی بھی زمانے میں اور کسی بھی جگہ ہدایتِ خداوندی سے
کٹ کر اپنے لیے گڑھتا ہے ۔ یہ ایک ایسا بنیادی اختلاف ہے جس کے ساتھ
کسی مقام پر بھی اتفاق و میل کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اسلامی تصور کے لیے
ایک خاص ماحول ضروری ہے جس میں اس کی تمام بنیادی خصوصیات موجود
و برقرار ہوں ۔ جاہلی معاشرے سے اس کا کوئی ربط وضبط نہ ہو ۔ یہ خاص معاشرہ
اسلامی تصور و اسلامی نظام کے ساتھ زندگی گذارے ۔ اسے اپنی طبعی نشوونما اور
پیش رفت کی کامل آزادی حاصل ہو۔ اور اس نشوونما کی راہ میں کوئی بھی داخلی و
خارجی رکاوٹ حاصل نہ ہو ، ایسے معاشرے میں فردمومن فطری اور اطمینان بخش
زندگی گذار لے گا کیونکہ اس میں اسے فطری سانس لینے کا موقع ملے گا، نیکی
کے لیے اسے معاون ملیں گے اور اسلامی " اخلاقیات " کی پیروی میں اُسے شعوری
واجتماعی راحت ملے گی ۔

بغیر ایسے معاشرے کے فردِ مومن کی زندگی دشوار یا کم از کم مشکل ضرور
ہوگی۔ کوئی بھی مومن ایسے مسلم ماحول ہی میں پوری طرح اپنے اسلام کو قائم رکھ سکتا
ہے جس پر اسلام کا غلبہ ہو۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ کسی جاہلی معاشرہ میں تتر بتر رہ کر
اہل ایمان اپنے اسلام کو ثابت رکھ سکیں گے تو وہ خام خیالی اور وہم میں مبتلا ہے۔
اسلامی نظام اسی وقت آسان و سہل ہے جب وہ اپنے مطلوب معاشرے
میں ہو اسی لیے وہ ایسے معاشرے کا وجود ضروری قرار دیتا ہے اور اسی بنیاد پر
اس کی ساری توجیہات قائم ہیں

---

اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ الٰہی نظام میں انسانیت کو جاہلی نظاموں کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جاہلی نظامہائے حیات جنھیں انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے کٹ کر کسی بھی جگہ اور کسی بھی زمانے میں اپنے لیے وضع کرتا ہے انسانی جہالت وضعف اور انسانی ہوا وہوس کے نتائج سے خالی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انسانی فطرت سے کلی یا جزوی طور پر متصادم ہو جاتے ہیں، پھر یہ تصادم جس قدر کم وبیش ہوتا ہے اسی اعتبار سے انسانیت کے لیے مشقت و بدبختی کا باعث ہوگا۔ جاہلی نظام، انسانی مشکلات ومسائل کے جزوی حل اور جزوی علاج پر مشتمل ہوتے ہیں بسا اوقات اگر اس علاج سے اس پہلو کو فائدہ ہوتا ہے تو دوسرا پہلو اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ مرض کے تمام پہلوؤں پر ایک ہی وقت میں پوری نظر نہ رکھنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اب اگر وہ پہلے علاج سے پیدا ہونے والی بیماری کے علاج کے لیے کچھ کرتا ہے تو ایک تیسرا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بات کے ثبوت کے لیے مختلف ادوار میں انسانی نظامہائے حیات کی تدریج اور ردوبدل کا مطالعہ کافی ہے۔

بلاشبہ اس طرح کے نظام انسان کو اس سے کہیں زیادہ مشقت میں مبتلا کرتے ہیں جو وہ فطرت سے ہم آہنگ کسی مکمل نظام کے لیے برداشت کرتا ہے کیونکہ یہ مکمل نظام نہ صرف انسانی مسائل ومشکلات کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے بلکہ مکمل علم ودرایت کی روشنی میں مکمل علاج بھی تجویز کرتا ہے جو لوگ جاہلی نظاموں کی پیدا کردہ مشکلات وآلام کی طویل تاریخ سے واقف ہیں وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ الٰہی نظام اپنی ساری مشقتوں اور اخلاقیت کے

باوجود انسانیت پر جاہلی نظاموں سے زیادہ مشقت اور بار ڈالتا ہے۔

الٰہی نظام جو انسان کو ایک بلند مقام تک پہونچانا چاہتا ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ راستہ بھٹکنے کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ تیز تیز قدم بڑھانے اور منزلیں طے کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے سامنے ایک بہت وسیع مقصد ہے جس کے لیے کسی ایک فرد کی عمر کافی نہیں۔ نہ اسے یہ خوف ہی ہوتا ہے کہ موت اس کی دور دراز منزل تک پہنچنے میں حائل ہو سکتی ہے، جیساکہ دیگر دنیاوی نظاموں اور مذاہب کے ماننے والوں کو لاحق ہوتا ہے جو ایک ہی نسل گذرتے گذرتے اپنے اصل راستے سے منحرف ہو جاتے ہیں اور پُرسکون فطرت کو مہمیز کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے موہوم خیال کے مطابق انتہائی تیزی کے ساتھ منزل تک پہنچ سکیں۔ وہ فطری تدریج پر صبر نہیں کر سکتے اور ان کے اس انحراف کے راستے میں خون کے دریا حائل ہوتے ہیں، لہو کا سیلاب رواں ہوتا ہے، اقدار ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور سارا توازن درہم برہم ہو جاتا ہے، بالآخر فطرت کے سخت جبڑے اُسے جکڑ لیتے ہیں اور فطرت مصنوعی تیاریوں کی کوئی رعایت نہیں کرتی۔

لیکن اس کے برخلاف اسلامی نظام، فطرت کے مطابق آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتا ہے، مناسب مواقع پر رُخ بدلتا اور خامیوں کی اصلاح کرتا رہتا ہے۔ وہ توڑ پھوڑ کے ذریعہ فطرت کو مشکلات میں نہیں ڈالتا، بلکہ ایک دور اندیش اور باخبر شخص کی طرح صبر و تحمل سے کام لیتا ہے جسے اپنی دور دراز منزل تک پہنچنے پر پورا اعتماد ہو اور جو اس بات کو بخوبی سمجھتا ہو کہ جو مقصد

پہلے مرحلے میں حاصل نہیں ہوتا وہ دوسرے مرحلے میں حاصل ہو جائے گا اور جو دوسرے مرحلے میں حاصل نہیں ہوتا وہ تیسرے، دسویں یا ہزارویں مرحلے میں حاصل ہو کر رہے گا۔ اس کا کام صرف راستہ طے کرنا اور جدو جہد کرنا ہے جس طرح کسی سرسبز و شاداب درخت کی جڑیں زمین میں خوب گہرائی تک جاتی ہیں اور اس کی شاخیں آہستہ آہستہ خوب پھیلتی ہیں اسی طرح یہ نظام بھی قلبِ زندگی میں اپنی جڑیں مستحکم بناتا ہے، پھر آہستہ آہستہ نرمی اور سکون و اعتماد کے ساتھ پھیلتا ہے یہاں تک کہ منزلِ مطلوب تک پہونچ جاتا ہے۔

اسلام اپنے بیج بو کر اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور اسے فطری و پُرسکون نشوونما کی پوری آزادی دیتا ہے کیونکہ اسے اپنی دور دراز منزل تک رسائی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے، پھر اس سفر میں کبھی سست روی اور پیچھے مڑنے کی کیفیت اگر پیدا ہوتی ہے تو یہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ مثال کے طور پر کھیتی کو لے لیجئے کبھی اُسے کیڑے کھا جاتے ہیں، کبھی پانی کی قلت اسے تباہ کر ڈالتی ہے، کبھی سیلاب میں غرق ہو جاتی ہے اور اس طرح کے نہ جانے کتنے مسائل اور مشکلات اسے پیش آتی رہتی ہیں لیکن دور اندیش کسان جانتا ہے کہ کھیتی باقی رہے گی، اس میں نشوونما بھی ہوگی اور بالآخر تمام مشکلات بھی دور ہو جائیں گی لہٰذا نہ تو وہ کھیتی سے منہ موڑتا ہے نہ گھبراہٹ کا شکار ہوتا ہے اور نہ یہ کوشش کرتا ہے کہ فطرت کے آسان و اطمینان بخش وسائل کو چھوڑ کر دوسرے ذرائع سے فصل کو جلدی سے پکا کر تیار کر لے۔ اس طرح اسے اطمینان و سکون ہو جاتا ہے اور مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

آج ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ جاہلی نظاموں اور ان کے ماننے والوں کی نادانیوں کے نتیجہ میں انسانیت کو درپیش صورتحال کی وضاحت کریں۔ مشرق سے لے کر مغرب تک آج جس بدبختی و شقاوت کا دور دورہ ہے اور اہل عقل ہر جگہ خطرات کے بارے میں جو چیخ و پکار کر رہے وہ اس کا کافی ثبوت ہے۔

---

یہاں یہ وضاحت بھی نامناسب نہیں ہوگی کہ یہ کہنا قطعًا درست نہیں ہے کہ الٰہی نظام زیادہ دنوں تک برپا نہیں رہ سکا جیسا کہ بعض لوگ مکر و خباثت کی بنا پر اور بعض لوگ غیرت و حمیت کی وجہ سے کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بلند اور منفرد نظام کی بنیاد پر جو اجتماعی، روحانی اور سیاسی ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا اور جس کی تعمیر میں ایک صدی بلکہ نصف صدی سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوا تھا ایک ہزار برس سے بھی زیادہ عرصے سے اپنے اوپر ہونے والے تمام وحشیانہ حملوں، تمام عداوتوں اور تمام آفات و مشکلات کا مقابلہ کر رہا ہے۔ یہ سارے خوفناک عوامل پوری شدت کے ساتھ برابر اس کی بنیادوں پر حملے کر رہے ہیں، ان کی پشت پر دنیا کی ساری جاہل قوتیں ہیں —— لیکن ان سب کے باوجود اس کی نظریاتی بنیادوں کو توڑ مروڑ نہیں سکیں نہ اس کی صورت مسخ کر سکیں۔ یہ بنیادیں آج بھی نئے انقلاب کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں جب بھی نئی نسل انہیں اختیار کر لے۔

اس تاریخی حقیقت کی قدر و قیمت اور اہمیت کو سمجھنے کے لیے ہمیں جاہلی نظام کی بنیاد پر قائم ہونے والے ایک دوسرے ڈھانچے کو دیکھنا چاہیے

اور وہ ہے رومی سلطنت کا ڈھانچہ، جس کی تعمیر میں تقریباً ایک ہزار برس لگے لیکن نامساعد حالات کی چوٹیں کھا کھا کر یہ ڈھانچہ ایک صدی سے بھی کم مدت میں زمین پر آ رہا اور پھر کبھی کھڑا نہیں ہو سکا نہ اس کی بنیادیں ہی باقی رہیں جن پر از سر نو تعمیر ممکن ہو۔ الٰہی نظام اور بندگان خدا کے وضع کردہ نظاموں میں یہی بنیادی فرق ہے۔

بلاشبہ اس نظام کی تاریخ میں ـــــ بلکہ صحیح تر الفاظ میں پوری انسانیت کی تاریخ میں ایک ایسا زریں دور ... گذرا ہے جو پوری انسانی تاریخ میں ایک بلند چوٹی کی طرح سر بلند و نمایاں ہے، جس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں اور جو اپنے بلند مقام پر بدستور قائم و دائم ہے۔ عملاً یہ دور مختصر ضرور ہے لیکن اسی کو پورا عہد اسلامی نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ اس کی حیثیت ایک ایسے منارے کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس لیے قائم کیا ہے کہ انسانیت اس کی طرف برابر دیکھے، وہاں تک پہونچنے کی پیہم کوشش کرے اور اس سے انسانیت کی امنگوں اور حوصلوں کی تجدید ہوتی رہے، پھر اللہ تعالیٰ اس بلند منارے تک پہونچنے کی جدوجہد میں انسانوں کو مختلف درجے عطا کرے۔

یہ حقیقت بھی نظروں سے اوجھل نہیں رہنی چاہیے کہ وہ زریں دور کسی معجزے کی پیداوار نہ تھا جسے دوبارہ پیدا کرنا ناممکن ہو بلکہ انسانی جدوجہد کا ثمرہ تھے جو اہل ایمان کی پہلی جماعت نے صرف کی تھی۔ جب بھی اس طرح کی جدوجہد کی جائے گی اس زریں دور کو دوبارہ واپس لایا جا سکے گا۔

یہ جدوجہد جو انسانیت کے ایک منتخب گروہ نے کی تھی آنے والی

نسلوں کے لیے منزلِ مقصود کی حیثیت رکھتی ہے۔ خدا کی قدرت سے اس ایک نسل میں اس منفرد مقام پر پہنچنا اس لیے ممکن ہوا کہ عملی صورت میں ایک ایسا نمونہ سامنے آجائے کہ جس کے حصول کی کوشش کی جائے اور اس کی خصوصیات سے آگاہی حاصل ہو جائے، پھر آنے والی نسلوں کو از سرِ نو وہاں تک پہونچنے کی جد و جہد کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

اسلامی نظام اس مختصر دور کے بعد بھی انسانی زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنا کردار ادا کرتا رہا ہے اور انسانی تاریخ و نظریات پر نسل در نسل اثر انداز ہوتا رہا ہے۔ اس نے پوری انسانی زندگی میں آثار و رجحانات چھوڑے ہیں اور شاید یہی رجحان آج ہمیں اس امید پر مائل کرتے ہیں کہ انسانیت کے لیے اس بلندی تک از سرِ نو پہنچنے کی کوشش پوری طرح ممکن ہے۔

---

## چوتھا باب

# مؤثر نظام

اسلامی نظام کے اس دورِ زرّیں نے حیاتِ انسانی میں رفعت وعظمت اور حسن وکمال کی ایک دائمی تاثیر اور انسانی تاریخ میں ایسے آثار ونشانات چھوڑے ہیں جو موجودہ نسل کو ـــ صدرِ اوّل کے منتخب گروہ کے بعد ـــ تمام نسلوں سے زیادہ اس دور تک رسائی کی کوشش کے لائق بناتے ہیں۔ یہ دیرپا نقوش در رجحانات، تصورات واقدار میں بھی پائے جاتے ہیں اور حالات وساخت میں بھی۔ ہم اس باب میں مختصر طور پر اس دورِ زرّیں کے کچھ آثار دکھانے کی کوشش کریں گے، جو نہ صرف امت مسلمہ کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتے بلکہ پوری انسانی تاریخ میں اُن کا جواب نہیں۔

اس دور نے مثالی شخصیتوں کی ایک بڑی تعداد پیدا کی جو انسانیت کے اعلیٰ ترین مدارج کی نمائندگی کرتی ہیں جن کی بلندی کے سامنے غیر الٰہی نظام میں پرورش پانے والی تمام شخصیات بونوں جیسی نظر آتی ہیں یا ناقص و نامکمل وجود کی حیثیت رکھتی ہیں۔ الٰہی نظام کی پروردہ ان شخصیات کی تعداد اتنی کم بھی نہیں، ہے کہ اُسے

انگلیوں پر گنا جا سکے، بلکہ یہ ایک بہت بڑا گروہ تھا جن کے بارے میں تحقیق کرنے والا اس بات پر حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ اس مختصر و محدود مدت میں یہ سب کچھ کیسے ممکن ہو سکا۔ اور اس کی توجیہہ نہیں کر پاتا کہ اتنے متنوع اور بلند پایہ نمونوں کے ساتھ اتنی بڑی تعداد کو کیسے تیار کیا جا سکا۔

ہمارے لیے ان مثالی شخصیات کے بارے میں معلومات بہم پہونچانا ضروری ہے جنہوں نے انسانیت کے اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے جو اپنی نظیر نہیں رکھتے اور صدیوں سے دوسرے سارے نمونے ان کے مقابلے میں ہیچ اور کوتاہ قد نظر آتے ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی میں الٰہی نظام کو اس عجیب و غریب طرح سے نافذ کیا اور ساتھ ہی بحیثیت انسان سارے بشری تقاضے بھی پورا کرتے رہے، اپنی فطرت و مزاج کو بھی برقرار رکھا، اپنی کسی بنیادی قوت کو بھی پامال نہیں کیا، نہ اپنے آپ کو اپنی طاقت سے زیادہ مکلف ہی بنایا، وہ ہر انسانی لطف و نشاط سے بہرہ اندوز بھی ہوئے اور اپنے ماحول و زمانے میں مہیا ہر قسم کی نعمتوں سے لطف بھی اٹھایا، انھوں نے ٹھوکریں بھی کھائیں اور سنبھلے بھی، گرے بھی اور اٹھے بھی، تمام انسانوں کی طرح کبھی کبھی ان پر انسانی ضعف بھی غالب آیا اور انھوں نے اس ضعف پر غلبہ و قابو بھی پایا۔

اس حقیقت کا علم انتہائی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ انسانیت کو از سر نو کوشش کا حوصلہ دلاتی ہے اور یہ اس کا فرض، بلکہ حق قرار دیتی ہے کہ وہ اس زریں اور ممکن مثال تک پہونچنے کی کوشش کرے اور برابر کرتی رہے۔ کیونکہ اس مثال سے خود انسانیت کا اپنے آپ پر، اپنی فطرت پر اور اپنے اندر

پنہاں قوتوں پر اعتماد بڑھتا ہے۔ جن کے ذریعے ___ اگر صالح نظام موجود ہو تو ___ اس بلند انسانی معیار تک پھر پہونچا جا سکتا ہے جہاں انسانیت اپنی تاریخ میں ایک بار پہنچ چکی ہے۔ اور یہ رسائی کسی معجزے کا نتیجہ نہ تھی جس کا اعادہ ناممکن ہو، بلکہ ایک ایسے نظام کے زیرِ سایہ ہوئی تھی جو انسانی طاقت کے حدود میں انسانی جد و جہد کے ذریعہ بر پا ہوتا ہے۔

وہ عظیم الشان نسل، صحرا اور ریگستان کے قلب سے اٹھی تھی جو طبعی، اقتصادی علمی اور دیگر وسائل سے بڑی حد تک محروم تھی اور جب ایسے ماحول میں بھی اس عجیب و غریب اٹھان کے لیے عوامل معاون و موافق ثابت ہوئے تو حال و مستقبل کے بارے میں انسانیت بدرجۂ اولیٰ اپنی کوشش میں کامیاب ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ اس الٰہی نظام کو اپنی زندگی کی بنیاد بنا لے۔ کیونکہ اب انسانی فطرت کے ساتھ وسائل کی بھی بہتات ہے۔ پھر الٰہی نظام زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اور انحراف، دشمنی اور حملوں کے تسلسل کے باوجود ایسے مثالی افراد برابر پیدا کرتا رہا جن میں پہلے گروہ کی مشابہت اور آثار و نشانیاں موجود تھیں۔ یہ افراد انسانی زندگی اور انسانی تاریخ پر کافی اثر انداز ہوتے رہے اور اپنے اردگرد اور اپنے پیچھے ایسے رجحانات اور دیر پا ٹھوس اثرات چھوڑتے رہے، جو زندگی کے رُخ پر اثر انداز ہوتے رہے۔ یہ نظام ہر وقت اس طرح کی مثالیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جب بھی زندگی میں اس کے نفاذ اور تمام مخالف عوامل اور رکاوٹوں کے باوجود اس کی تطبیق کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ اس میں جو راز پنہاں ہے وہ فطرت کے ساتھ

اس کی ہم آہنگی اور اس کی پوشیدہ قوتوں سے مدد و تعاون حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔ انسانی فطرت میں جو لازوال قوتیں ودیعت ہیں وہ جب الٰہی نظام کے ساتھ مل جاتی ہیں تو ان سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ اور خیر و سعادت کا سیلاب رواں ہو جاتا ہے۔

---

اس زرّیں دور نے انسانی زندگی میں ایسے نظریات و تصورات اور اقدار و اصول قائم کیے جو انسانی تاریخ میں اس وضاحت، گہرائی اور اتنی ہمہ گیر انسانی سرگرمی و جوش کے ساتھ اس سے پہلے قائم ہو سکے تھے نہ اس کے بعد کسی بھی دنیاوی نظام کے سامنے میں اس وضاحت، گہرائی، انسانی جوش و سرگرمی سچائی، سنجیدگی، اخلاص اور انفرادیت کے ساتھ قائم ہو سکے، پھر یہ بنیادی اصول و نظریات انسانی زندگی کے ہر گوشے سے متعلق ہیں۔ انسان کے تصور خدا، خدا کے ساتھ تعلق، اس وجود کے بارے میں تصور جس میں انسان زندگی گزارتا ہے، اس کے ساتھ تعلق کی نوعیت، انسانی وجود کے مقصد اور اس کائنات میں اس کی حیثیت و مقام اور فرائض، غرض یہ کہ تمام پہلوؤں سے متعلق، پھر ضمنی طور پر انسان کی حقیقت، اس کے حقوق و واجبات، وہ بنیادی اصول جن سے انسان کی زندگی، اس کی سرگرمی اور اس کے مقام کو جانچا جا سکے، کن بنیادوں پر انسان اپنے رب کے ساتھ اپنے گھر والوں اور دیگر انسانوں کے ساتھ اور دوسری تمام چیزوں کے ساتھ تعلقات قائم کرے، اس کے سیاسی، اجتماعی، اور اقتصادی حقوق و فرائض اور وہ روابط و حالات جن پر ان حقوق

و فرائض کا دارومدار ہوتا ہے۔ الغرض زندگی کے تمام پہلوؤں و گوشوں سے متعلق اور سارے معاملات میں اس الٰہی نظام نے پوری انفرادیت و تمیز کے ساتھ رہنمائی کی۔

پھر یہ سب کچھ ایک ایسے ماحول میں ہوا جو ان اصول و نظریات اور اقدار کا مکمل دشمن و مخالف تھا۔ دوسری طرف عالمی ماحول بھی ان تصورات کا منکر تھا، مقامی و عالمی اقتصادی، اجتماعی، سیاسی اور عقلی و نفسیاتی حالات و ظروف بھی اس رخ سے پوری طرح متصادم تھے جو پہلی بار اسلام نے انسانیت کے لیے متعین کیا تھا اور اگر متصادم نہ بھی قرار دیا جائے تو بھی کم از کم اس کی آزادانہ نقل و حرکت میں ممد و معاون نہیں تھے۔ اسلام کو اپنی کامیابی پر اعتماد سب سے پہلے انسانی فطرت اور الٰہی نظام پر اس کی استقامت کی استعداد کی وجہ سے تھا کیونکہ اسلام اپنی پوری گہرائی کے ساتھ فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہے، وہ فطرت جو سطحی اور عارضی اثرات سے آزاد ہو۔ اسلام کو اس فطرت کو ابھارنے اور جس تاریکی میں وہ جا گری تھی اس سے نکالنے پر پورا بھروسہ تھا۔ یہ فطری ودیعت اگر صحیح راہ پر موجود ہو تو ان تمام سطحی اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہے جنہیں بعض کوتاہ نظر انسانی زندگی کی ہر چیز کا نمائندہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اسلام نہ ان عوامل سے غافل ہے نہ انسانی زندگی میں ان کے اثرات سے انکار کرتا ہے لیکن وہ انھیں ٹھوس حقیقت سمجھ کر اُن کے سامنے سپر انداز نہیں ہو جاتا ہے بلکہ نرمی و خوش اسلوبی کے ساتھ فطری ودیعت کو بیدار و مجتمع کر کے اس کا رُخ بدل دیتا ہے اور اس مقام تک پہنچا دیتا ہے جہاں

انسانیت جزیرۃ العرب وغیرہ میں سارے مخالف عوامل اور ناسازگار احوال وظروف کے باوجود ایک بار پہنچ چکی ہے۔

جب اسلام نے دنیا میں آکر ایک مختصر مدت میں نرمی وخوش اسلوبی کے ساتھ عظیم ترین انقلاب برپا کیا تھا تو آج اس وقت کے مقابلے میں بہت سی جگہوں پر صورت حال کہیں زیادہ سازگار ہے اور آج انسانیت بہت سے اسباب کی بنا پر (جن کا ذکر اگلے باب میں آرہا ہے) اس نظام کو برپا کرنے کی کہیں زیادہ قدرت رکھتی ہے اور اسے اپنا کر کہیں زیادہ طاقت حاصل کر سکتی ہے بالخصوص جب ہم یہ جانتے ہیں کہ شر و فساد اور انحراف کی ساری تاریکیوں کے باوجود اور فکری واقتصادی عوامل اور مادی حالات کے باوجود انسانی فطرت اس کی قدرت رکھتی ہے کہ وہ تاریکی کے ان پردوں کو چاک کر کے باہر نکل آئے اور اپنا شیرازہ مجتمع کر کے سرگرم عمل ہو جائے۔ جب بھی الٰہی نظام اسے تاریکی سے نکالنے، اس کی شیرازہ بندی کرنے، اس کا رخ متعین کرنے اور اُسے انسانی فطرت اور کائنات کے مزاج کے مطابق راستے پر لانے میں کامیابی حاصل کر سکے۔

جو لوگ اس مزاج کے نام سے ناواقف ہیں ان کے لیے تو خارجی اثرات ایسی حقیقت کی شکل میں نظر آسکتے ہیں جنہیں بدلنے اور جن کا مقابلہ کرنے اور ان کی کمر توڑنے کا کوئی راستہ وگنجائش باقی نہ ہو لیکن درحقیقت اس کی حیثیت ایک بڑے وہم سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ انسانی فطرت خود ایک حقیقت ہے جو آج کے ظاہری ماحول سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ کیونکہ آج

مغرب سے مشرق تک یہ فطرت اپنی محرومی و شقاوت کا اعلان چیخ چیخ کر کر رہی ہے۔ فطرت جب کسی نظام سے ٹکراتی ہے تو پہلے مرحلے میں مغلوب ہو جاتی ہے کیونکہ اس نظام کے پیچھے پوری مادی قوت ہوتی ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فطرت ہر صورت حال اور اس کی قوت و طاقت سے زیادہ طاقتور ہے اور بالآخر غالب و کامیاب ہو کر رہتی ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جب اس کی رہنمائی کسی ایسے نظام کے ہاتھ میں ہو جو خود اس نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

ایسا ایک بار اس وقت پیش آچکا ہے جب الٰہی نظام جزیرۃ العرب اور ساری دنیا کے "حقائق" سے ٹکرایا تھا۔ اور نمایاں فتح حاصل کر کے اس کی نظریاتی و عملی بنیادوں کو بدل کر نئی بنیادوں پر اس کی تشکیل کی تھی۔ اور یہ کسی معجزے کا نتیجہ نہ تھا جس کا دہرانا ناممکن ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی لازوال سنّت اور طریق کار کے مطابق انسانی طاقت کے دائرے میں خود انسانی جدوجہد کے نتیجے میں سامنے آیا تھا۔ یہ مثال اس کا بیّن ثبوت ہے کہ اس کا بار بار دہرانا ممکن ہے، پھر اُس دورِ زریں نے اپنے پیچھے جو رجحانات، آثار اور بنیادیں انسانی زندگی و تاریخ میں چھوڑی ہیں کیا وہ سب از سر نو جدوجہد میں معاون و مددگار عوامل کی حیثیت نہیں رکھتیں؟

---

اس دورِ زرّین نے انسانی زندگی میں بہت سے عملی رواج اور ٹھوس رجحانات قائم کیے جن کی بنیاد اس کے بنیادی اصولوں اور نظریات

واقدار پر ہے، یہ رواج اور رجحانات اس دور کے خاتمے کے ساتھ ہی فنا نہیں ہو گئے بلکہ صدیوں کا فاصلہ طے کرتے ہوئے دنیا کے دور دراز گوشوں تک پھیلتے گئے۔ جن سے پوری انسانیت کسی نہ کسی صورت میں متاثر ہوئی اور انھیں حاصلِ حیات کا درجہ حاصل ہوا جس سے ایک ہزار برس سے زیادہ مدّت سے برابر استفادہ کیا جا رہا ہے۔ اور ان تصوّرات، رسوم ورواج، علوم و معارف، اقتصادیات و عمرانیات اور تہذیب وثقافت پر اس کے لازوال نقوش ثبت ہیں۔ دنیا کے ہر گوشے میں اس کے اثرات ہیں اور آج تک اس طوفان کے بقیہ آثار انسانی زندگی میں اثرانداز ہو رہے ہیں باوجودیکہ اس طوفان کی راہ میں حائل ہونے والی تمام قوتیں موجود ہیں اور مغربی دنیا پر یونانی و رومی جاہلیت کا صدیوں سے تسلّط قائم ہے۔

انسانی زندگی میں ٹھوس تاثیرات کے پیچھے ایسی بنیادیں اور اصول اور ایسے نظریات و اقدار اب بھی پائے جاتے ہیں جن کے اصل سرچشمے سے دنیا آج ناواقف ہے اور ان کا تعلق الٰہی نظام کے بجائے دوسرے سرچشموں سے جوڑتی ہے لیکن اصل سرچشمے کا پتہ لگانا اور اس کے ذریعے انسانی زندگی میں الٰہی نظام کی کارکردگی و اثرات کی طرف لوٹنا مشکل نہیں۔ اگلے باب میں ہم کچھ ایسی چیزوں کا ذکر کریں گے جنھیں آج دنیا تسلیم کرتی ہے لیکن آج سے چودہ سو برس پہلے جب اسلام آیا تھا ان کا شدّت سے انکار کیا جاتا تھا۔ شاید یہ انسانی زندگی اور موجودہ حالات میں انہی

نقوش کے برقرار رہنے کا نتیجہ ہے کہ انسانیت آج عام طور پر اس نظام کو سمجھنے سے زیادہ قریب ہو چکی ہے اور اسے برپا کرنے پر زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ اس کے پاس اب وہ حاصلِ حیات موجود ہے جو پہلے سیلاب کا عطیہ ہے اور اس وقت موجود نہیں تھا جب اسلام سے دنیا پہلی بار روشناس ہوئی تھی۔ اس طرح آج انسانیت کے پاس اس الٰہی نظام سے انحراف کے دور میں سرکشی و انحراف کے نتیجے میں درپیش مشکلات و مسائل کے عملی تجربات بھی موجود ہیں، یہ سارے تجربات ایسے عوامل بن سکتے ہیں جو الٰہی نظام کو قبول کرنے اور ۔۔۔ خدا کے فضل و کرم سے ۔۔۔ آنے والے وقت میں اسے برپا کرنے میں معاون ثابت ہوں۔

---

## پانچواں باب

# فطری نظام

اسلام جب پہلی بار آیا تو اس کے سامنے ایک بڑی دیوار حائل تھی۔ یہ دیوار جزیرۃ العرب اور پورے کرۂ زمین کے حالات کی شکل میں تھی۔ اس کی راہ میں پرانے عقائد و تصورات، پرانے اقدار و معیار، پرانے نظام و حالات اور پرانی مصلحتیں و عصبیتیں حائل تھیں۔ اس وقت اسلام اور جزیرۃ العرب و کرۂ زمین کے انسانوں کے درمیان ایک طویل و دشوار گزار مسافت تھی۔ اسلام لوگوں کو جس منزل تک پہنچانا چاہتا تھا وہ بہت دور تھی۔ اس دیوار کے ساتھ صدیوں کی تاریخ وابستہ تھی اور نہ جانے کتنی مصلحتیں اور قوتیں اس کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں اور یہ سب رکاوٹیں اس نئے دین کے راستے میں حائل تھیں جو نہ صرف عقائد و تصورات، اقدار و معیار، عادات و رسوم اور اخلاق و احساسات کو بدل دینا چاہتا تھا، بلکہ ساتھ ہی نظامِ حیات، قوانین، حالات اور رزق و دولت کی تقسیم کا نظام بھی بدل دینا چاہتا تھا۔ اسی طرح وہ طاغوت و جاہلیت کے ہاتھوں سے

انسانیت کی قیادت چھین لینے پر بھی مُصر تھا تاکہ اسے اسلام کی طرف لوٹا سکے ۔ اگر کوئی شخص اس وقت یہ کہتا کہ یہ نیا دین پوری دنیا کے علی الرغم یہ سب کچھ چاہتا ہے اور وہ غالب ہو گا اور نصف صدی سے پہلے بھی سارے ماحول کو بدل دے گا تو اس کی بات کا مذاق اڑایا جاتا لیکن یہ بات حقیقت بن کر سامنے آئی کہ وہ طاقتور جاہلیت بہت جلد اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور نئے رہبر کو انسانیت کی قیادت سونپنے پر مجبور ہو گئی ہے تاکہ وہ انسانیت کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اسلام کے جھنڈے تلے الٰہی شریعت و قانون کے مطابق اس کی قیادت و رہنمائی کرے۔

جو لوگ حالات کی دیوار کو بہت زیادہ وزن دیتے ہیں اور تمام حالات واُمور کے بارے میں اسی بنیاد پر اندازے قائم کرتے ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ جو کچھ محال نظر آرہا تھا وہ کیسے واقع ہو گیا اور ایک شخص محمدؐ بن عبداللہ کیسے پوری دنیا کے مقابلے میں یا کم از کم شروع میں قریش اور جزیرۃ العرب کے مقابلے میں اور ان عقائد و نظریات اور مصالح و عصبیات کے مقابلے میں کیسے تنہا کھڑے ہو سکے اور یہی نہیں بلکہ سب پر غالب آئے۔ سب کچھ بدل دیا اور نئے نظریے کی بنیاد پر ایک نیا نظام قائم کر دیا۔؟

آپؐ نے ان کے عقائد و نظریات کے ساتھ رواداری کا رویہ بھی نہیں اپنایا، ان کے جذبات و احساسات کی ہمنوائی بھی نہیں کی، ان کے معبودوں اور راہنماؤں کے ساتھ نرمی بھی نہیں برتی، بلکہ پہلے ہی دن سے

جب وہ مکہ مکرمہ میں تھے اور ساری قوتوں کا مقابلہ بھی تھا۔ انھیں یہ اعلانیہ کہنے کا حکم دیا گیا کہ :۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ (الکٰفرون)

(اے پیغمبر! ان منکران اسلام سے) کہہ دو کہ اے کافرو! جن کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا اور جس (خدا کی) عبادت میں کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے، اور جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں اور نہ تم اس کی بندگی کرنیوالے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں تم اپنے دین پر اور میں اپنے دین پر۔)

آپؐ نے ان کے دین و عبادت سے اپنے دین و عبادت کی قطعی و مکمل علیحدگی کے اعلان ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ آپؐ کو حکم دیا گیا کہ مستقبل میں بھی دونوں کے درمیان کسی قسم کے اتحاد کے امکان سے انھیں مایوس کر دیں۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ (الکافرون)

اور میں ان کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم اس کی بندگی کرنیوالے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔

اور واضح طور پر فرق کا اعلان کر دیں۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ (الکافرون)

تم اپنے دین پر اور میں اپنے دین پر۔

آپؐ نے ان کو مرعوب کرنے کے لیے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ آپؐ کو کوئی خفیہ طاقت حاصل ہے یا غیر انسانی امتیازات اور خفیہ سرچشموں سے آپؐ کا تعلق ہے، بلکہ آپؐ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ:

| | |
|---|---|
| قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ط (الانعام ۵۰) | کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (خدا کی طرف سے) آتا ہے۔ |

آپؐ اپنے مخالفین پر غلبہ و فتح کی صورت میں اپنے ماننے والوں کے لیے دولت و ثروت اور عہدوں کا وعدہ بھی نہیں کرتے تھے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانے میں خود قبائل کے پاس جاتے تھے اور ان سے فرماتے تھے کہ "اے بنی فلاں! میں تمہارے پاس خدا کا پیغامبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس کا حکم ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے علاوہ تم نے جو شریک وسہیم بنا رکھے ہیں انھیں ترک کر دو۔ مجھ پر ایمان لاؤ، مجھے سچّا سمجھو اور مجھے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی وضاحت کا موقع دو۔

ابن اسحاق ہی نے زہری سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی عامر بن صعصعہ کے پاس تشریف لے گئے انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کیا۔ ان میں سے بیجرہ بن فراس نامی

ایک شخص نے کہا کہ اگر میں قریش کے اس نوجوان کو پا جاؤں تو سارے عرب پر غلبہ حاصل کر لوں۔ پھر اس نے آپؐ سے کہا کہ اگر ہم لوگ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، پھر اللہ تعالیٰ آپؐ کو مخالفین پر غلبہ عطا کرے تو کیا آپؐ کے بعد ہمیں اقتدار مل جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا چلے گا اور وہ جہاں چاہے گا اقتدار رکھے گا۔ اس نے کہا کہ کیا آپؐ یہ چاہتے ہیں کہ ہم عربوں کا مقابلہ کریں، پھر جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو غالب کر دے تو اقتدار بجائے ہمارے دوسروں کو مل جائے۔ ہمیں آپؐ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور پھر انھوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

پھر یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ ایک آدمی تنہا اس دیوار کو کیسے منہدم کر سکا؟ آپؐ نے کسی معجزے کا بھی سہارا نہیں لیا۔ کیونکہ آپؐ نے اعلان کر دیا تھا کہ اس دنیا میں آپؐ کسی معجزے کے ذریعہ کام نہیں کریں گے۔ آپؐ نے معجزوں کے مطالبے بھی مسترد کر دیے۔ ایسی صورت میں جو کچھ ہوا وہ ایک دائمی سنّت کے مطابق ہوا جو ہر ایسے وقت دہرائی جائے گی جب لوگ اسے قبول کر لیں گے اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔

اس نظام کا غلبہ اس لیے ممکن ہو سکا کہ وہ ظاہری اسباب سے صرفِ نظر کر کے فطرت کی پوشیدہ قوت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کام کر رہا تھا اور فطرت کی طاقت انتہائی ٹھوس اور مستحکم ہوتی ہے۔ اگر اسے تاریکی سے نکالنے، اسے مجتمع کرنے اور اس کا رُخ بدل کر سیدھے راستے پر ڈالنے کی کوشش کی جائے تو ظاہری تاریکی اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اسلام کا

اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ایسے وقت سامنے آیا جب انسانی
ضمیر پر فاسد و تحریف شدہ معتقدات کا غلبہ تھا۔ خود کعبہ کے اندر اسی
طرح کھوٹے معبود بھرے ہوئے تھے جس طرح لوگوں کے تصوّرات اور قلب
و دماغ پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ قبائلی اور اقتصادی مصالح کی بنیاد
بھی انہی کھوٹے معبودوں پر تھی۔ کاہنوں اور نجومیوں کی سرگرمیاں مستزاد
تھیں۔ الوہی خصوصیات کی بندوں میں تقسیم اور کاہنوں اور نجومیوں
کو لوگوں کے لیے قانون وضع کرنے اور نظام زندگی تشکیل دینے تک کے
اختیار دینے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے لازمی اثرات بھی موجود تھے۔
اسلام فطرت کو مخاطب کرتا ہوا سامنے آیا جو اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں
سمجھتی۔ آپؐ نے لوگوں کو ان کے حقیقی رب اور اس کی ان صفات و خصوصیات
سے آگاہ کرنا شروع کیا جن سے فطرت تاریکی کے دبیز پردے کے نیچے دب
کر بھی آگاہ تھی:۔

| | |
|---|---|
| قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ | کہو، کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں کہ وہی تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا (یہ بھی) کہہ دو کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم (اے پیغمبر) مشرکوں میں نہ ہونا (یہ بھی کہدو) کہ اگر میں |

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ
رَحِمَهٗ ط وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ ○ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ
اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ
اِلَّا هُوَ ط وَاِنْ يَّمْسَسْكَ
بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ○ وَهُوَ الْقَاهِرُ
فَوْقَ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْحَكِيْمُ
الْخَبِيْرُ ○ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ
اَكْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ لا وقف
شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ قف وَاُوْحِيَ
اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ
بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط اَئِنَّكُمْ
لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ
اٰلِهَةً اُخْرٰى ط قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ج
قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ
○

(الانعام ۱۴-۱۹)

اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے
دن کے عذاب کا خوف ہے جس شخص سے
اس روز عذاب ٹال دیا گیا اس پر خدا نے
(بڑی) مہربانی فرمائی اور یہ کھلی کامیابی ہے۔
اور اگر خدا تم کو سختی پہنچائے تو اس کے سوا
کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر
نعمت (و راحت) عطا کرے تو (کوئی اس
کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے
اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا
و خبردار ہے ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر
(قرینِ انصاف) کس کی شہادت ہے۔
کہدو کہ خدا ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے
اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ
اس کے ذریعہ تم کو اور جس شخص تک وہ
پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔ کیا تم لوگ اس بات
کی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور بھی
معبود ہیں (اے محمدؐ) کہدو کہ صرف وہی
ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک
بناتے ہو ان سے میں بیزار ہوں۔

اور:—

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ
الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ
قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ
الْمُهْتَدِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی
بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ
بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ
الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ ۝
قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝
وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا
یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ
مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا
تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا
وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ
وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا

(اے پیغمبر کفار سے) کہدو کہ جن کو تم خدا کے
سوا پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت سے روکا
گیا ہے (یہ بھی) کہدو کہ میں تمہاری خواہشوں
کی پیروی نہیں کروں گا ایسا کروں تو گمراہ
ہو جاؤں اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ
رہوں۔ کہدو کہ میں تو اپنے پروردگار کی دلیل
روشن پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔
جس چیز (یعنی عذاب) کے لیے تم جلدی کر رہے
ہو وہ میرے پاس نہیں (ایسا) حکم اللہ ہی
کے اختیار میں ہے اور وہ سچی بات بیان فرماتا
ہے اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کہہ
دو کہ جس کے لیے تم جلدی کر رہے ہو اگر وہ
میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں
فیصلہ ہو چکا ہوتا اور خدا ظالموں سے خوب
واقف ہے اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں
ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور
اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں
کا علم ہے اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اس

فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ٥ وَهُوَ الَّذِي
يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا
جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ
فِيهِ لِيُقْضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى ج
ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ
يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ع
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ
وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط
حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا
وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ٥ ثُمَّ
رُدُّوا إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ
الْحَقِّ ط أَلَا لَهُ الْحُكْمُ قف وَهُوَ
أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ٥ قُلْ
مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا
وَّخُفْيَةً ج لَئِنْ أَنْجٰنَا مِنْ
هٰذِهٖ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِينَ
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ

کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی
دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر
(کتاب روشن میں لکھی ہوئی) ہے اور وہی
تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری
روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں
کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے پھر تمھیں دن کو
اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر
زندگی کی مدت) مدتِ معین پوری کر دی جائے
پھر تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے
(اس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے
رہتے ہو (ایک ایک) کر کے بتائے گا اور وہ
اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کیے
رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت
آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض
کر لیتے ہیں اور کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے۔
پھر (قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالک
برحق خدائے تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔
سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور نہایت جلد حساب
والا ہے۔ کہو بھلا تم کو جنگلوں اور دریاؤں کے

كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ (الانعام ۵۶ - ۶۵)

— اندھیروں سے کون چھٹکارا دیتا ہے (جب) کہ تم اسے عاجزی اور نیاز پنہانی سے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) اگر خدا ہم کو اس (تنگی) سے نجات بخشے تو ہم اسکے بہت شکر گزار ہوں کیونکہ خدا ہی تمکو اس (تنگی) سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر (تم) اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ کہدو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے، یا تمہیں فرقہ فرقہ کردے اور ایک کو دوسرے سے لڑا کر آپس کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں۔

فطرت نے اس قدیم آواز کو سنا جو وسیع و عریض ماحول میں تاریکی کی موٹی دیوار کے پیچھے سے اُسے مخاطب کر رہی تھی اور اپنے واحد معبود کی طرف لپکی اور پھر نئی دعوت دبیز تاریکی پر غالب آگئی۔

---

جب لوگ ایک اللہ کی طرف رجوع ہوئے تو انسان کی پرستش و پوجا رک گئی، سب ایک دوسرے کے سامنے بلند ہوگئے، تمام سر اپنے واحد معبود کے سامنے جھک گئے اور اس طرح اعلیٰ خون، برتر جنس، نسلی شرافت و حکومت کے انسانوں کا خاتمہ ہوگیا۔

لیکن یہ کیسے ہوا؟

جزیرۃ العرب اور اس کے گرد طبقاتی، مادی و روحانی اور نسلی مصالح کی بنیاد پر ایک ایسا اجتماعی نظام قائم تھا جس پر کسی کو اعتراض کا موقع بھی حاصل نہیں تھا کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانے والے اس سے گھبراتے نہیں تھے اور اس کے تحت کچلے جانے والے اس سے انکار اور ناپسند بھی نہیں کرتے تھے۔ قریش نے اپنے آپ کو اعلیٰ قرار دے کر تمام عربوں سے علیحدہ اپنے لیے حقوق اور رسم و رواج قائم کر لیے تھے، حج میں سارے لوگ عرفات میں ٹھہرتے تھے لیکن قریش مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے۔ ان امتیازات کی بنیاد پر وہ اقتصادی منافع حاصل کرتے تھے جنہیں وہ سارے عربوں پر لادتے تھے، انہوں نے یہ پابندی بھی عائد کر رکھی تھی کہ خانۂ کعبہ کا طواف ان ہی کپڑوں میں کیا جا سکتا ہے جو قریش سے خریدے جائیں ورنہ ننگے بدن طواف کیا جائے۔ جزیرۃ العرب کے اردگرد ہر طرف خون و نسل کی بنیاد پر تفرقے قائم تھے۔ ایرانی معاشرے کی بنیاد، حسب نسب اور پیشے پر تھی، معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل تھی اور اس پر نہ کوئی پل بن سکتا تھا نہ باہم کوئی رابطہ قائم ہو سکتا تھا۔ حکومت کی طرف سے عوام پر یہ پابندی عائد تھی کہ وہ امیر کبیر کی جائداد نہ خریدیں۔ ساسانی سیاست کی سب سے اہم بنیاد یہ تھی کہ ہر آدمی کو اسی مقام پر رکھا جائے جو نسلاً اسے ملا ہے اوپر اٹھنے کی اجازت نہ دی جائے اسی طرح کسی آدمی کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنے نسلی پیشے کے علاوہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرے۔ ایرانی بادشاہ

کسریٰ کسی آدمی کو کوئی گھٹیا کام نہیں سونپتے تھے، خود عوام مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے تھے جن میں بہت واضح فرق تھا اور معاشرے میں ہر طبقے کا ایک خاص درجہ متعین تھا۔[1] ایرانی بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں الٰہی خون دوڑ رہا ہے۔ ایرانی انھیں معبود سمجھتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان بادشاہوں کے پاس کوئی بلند اور مقدّس چیز ہے، انھیں کفّارہ دیتے تھے، ان کی الوہیت کے ترانے گاتے تھے، انھیں قانون و تنقید سے بالاتر سمجھتے تھے اور مافوق البشر قرار دیتے تھے، ان کا نام زبان پر نہیں لاتے تھے، ان کی مجلس میں کوئی بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا، وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر انسان پر ان کا حق ہے لیکن کسی انسان کا ان پر کوئی حق نہیں، وہ کسی شخص کی دولت اور اچھی لڑکیوں کو قبول کر لیتے تھے تو یہ ان کے لیے نیکی اور شرافت کی بات ہوتی۔ اور ان کے سامنے سمع وطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ انھوں نے کیانی گھرانے کو مخصوص قرار دے کر یہ سمجھ لیا تھا کہ اسی گھرانے کے افراد کو تاج پہننے اور ٹیکس لگانے کا اختیار حاصل ہے اور یہ حق نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا تھا، اس حق کا دعویٰ کرنے والا کوئی دوسرا شخص ظالم اور ذلیل مدّعی ہی سمجھا جاتا تھا۔ وہ بادشاہی کے اسی گھرانے میں وراثت کے قائل تھے، اس میں کسی ردّوبدل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اگر اس گھرانے میں کوئی بڑا نہیں ملتا تھا تو بچّے ہی کو

---

[1] "ایران ساسانیوں کے عہد میں" مؤلفہ: پروفیسر آرتھرسن۔

بادشاہ بنا دیتے تھے اور اگر کوئی مرد نہیں ملتا تھا تو عورت ہی کو اس منصب پر فائز کر دیتے تھے، چنانچہ شیرؔویہ کے بعد اس کے بچے اردؔشیر کو بادشاہ بنایا گیا تھا جب کہ اس کی عمر صرف سات برس تھی۔ اسی طرح شاہ فرؔخ کسریٰ پرویز بھی انتہائی کمسنی میں تخت پر بٹھایا گیا۔ بوران بنت کسریٰ اور ازرمی دخت نامی دو عورتوں کو بھی تاج پہنایا گیا۔ لیکن رستم اور جابان جیسے کسی بڑے سورما اور رئیس کو یہ منصب سونپنے کا خیال بھی دل میں نہیں لایا گیا۔

ہندوستان میں طبقاتی نظام اپنی بدترین شکل میں موجود منوؔجی نے پیدائش مسیح سے تین سو برس پہلے (جب ہندوستان برہمنی تہذیب عروج پر تھی)، ہندوستانی سماج کے لیے ایک قانون مرتب کیا اور تمام اہل ملک نے اس کو بالاتفاق قبول کیا اور اس نے بہت جلد ملکی قانون اور ایک مذہبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لی۔ یہ وہی قانون ہے جسکو ہم آج منو شاستر کے نام سے جانتے ہیں۔

منو شاستر میں چار ذاتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ برہمن: یعنی مذہبی پیشوا۔

۲۔ چھتری: لڑنے والے۔

۳۔ ویش: زراعت و تجارت پیشہ۔

۴۔ شودر: جن کا کوئی خاص پیشہ نہ تھا اور جو دوسری ذاتوں کے صرف خادم تھے۔ منو شاستر میں ہے:۔

"قادرِ مطلق نے دنیا کی بہبودی کے لیے اپنے منہ سے، اپنے

بازوؤں سے، اپنی رانوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا، اس دنیا کی حفاظت کے لیے اس نے ان میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ فرائض قرار دیے، برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم اور خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دیوتاؤں کے چڑھاوے دینا اور دان لینے دینے کو فرض قرار دیا۔ چھتری کو اس نے یہ حکم دیا کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے، اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑے۔ ویش کو اس نے یہ حکم دیا کہ مویشی کی سیوا کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے، تجارت، لین دین اور زراعت کرے۔ شودر کے لیے قادرِ مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا اور وہ ان تینوں کی خدمت کرنا ہے۔" (منوشاستر، باب اوّل)

اس قانون نے برہمنوں کو دوسری ذاتوں کے مقابلے میں اتنا امتیاز اور تفوّق و تقدّس عطا کیا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے ہمسر بن گئے۔ منوشاستر میں ہے :-

"جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، وہ بادشاہ ہے کل مخلوقات کا۔ اور اس کا کام ہے شاستر کی حفاظت۔ جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے کل چیزیں اسی کی ہیں۔" (باب اوّل)

"برہمن کو ضرورت ہو تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے۔ اس غصب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ

غلام صاحب جائداد نہیں ہو سکتا۔ اس کی کل املاک مالک کا مال ہے "

(باب ہشتم)

"جس برہمن کو رگ وید یاد ہے وہ بالکل گناہ سے پاک ہے اگرچہ وہ تینوں عالم کو ناس کیوں نہ کر دے یا کسی کا بھی کھانا کیوں نہ کھائے (باب نہم)

"بادشاہ کو کیسی ہی سخت ضرورت ہو اور وہ مرتا بھی ہو تو بھی اسے برہمنوں سے محصول نہ لینا چاہیئے۔ اور نہ اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مرنے دینا چاہیئے۔" (باب ہفتم)

"سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی؟ (باب ہشتم)

اس قانون میں اگرچہ چھتری، ویش اور شودر کے مقابلے میں بلند ہیں لیکن برہمنوں کے مقابلے میں وہ بھی ہیچ ہیں۔ منو لکھتے ہیں:۔

"دس سال کی عمر کا برہمن اور سو سال کی عمر کا چھتری گویا آپس میں باپ بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں لیکن ان دونوں میں برہمن باپ ہے۔" (باب دوم)

باقی رہے اچھوت، شودر تو وہ ہندوستانی سماج میں اس شہری و مذہبی قانون کی رو سے جانوروں سے پست درجہ کے اور کتوں سے زیادہ ذلیل تھے۔ منو شاستر میں ہے:۔

"برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لیے انتہائی قابل تعریف بات ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز سے اسے اور کوئی اجر نہیں مل سکتا۔ شودر کو

اگر موقع ملے تو اسے نہیں چاہیے کہ وہ مال و دولت جمع کرے کیونکہ شودر دولت جمع کر کے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔" (باب دہم)

"اگر شودر دوجوں پر ہاتھ یا لکڑی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے گا اور اگر وہ غصہ میں لات مارے تو اس کا پیر کاٹ ڈالا جائیگا، اگر کوئی شودر کسی دوج کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھنا چاہے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اس کا سرین دغوا دے اور اسے ملک بدر کر دے یا اس کے سرین کو زخمی کرا دے۔" (باب ہشتم)

اسی طرح منوشاستر میں یہ بھی ہے کہ:۔

"اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے۔ اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اس کو وہ تعلیم دے سکتا ہے تو کھولتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے۔"

اور یہ کہ:۔

"کتے، بلی، مینڈک، چھپکلی، کوے، الو اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے۔"

مشہور رومی تہذیب کی بنیاد تعیشات پر تھی۔ اس تہذیب میں تین چوتھائی باشندوں کو غلاموں کی حیثیت اور بقیہ ایک چوتھائی کو اشراف کی حیثیت حاصل تھی۔ قانون کی دفعات میں آقاؤں اور غلاموں اور شریف و رذیل کے درمیان واضح فرق رکھا گیا تھا۔ جیسٹینن کی مشہور کتاب کے مطابق: اگر کوئی شخص کسی بیوہ یا دوشیزہ کو ورغلائے تو اس کی سزا۔ اگر وہ کسی شریف

خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ہوتی ہے کہ اس کا نصف مال ضبط کر لیا جائے اور اگر اس کا تعلق کسی رذیل گھرانے سے ہو تو اسے کوڑے لگائے جائیں اور جلاوطن کر دیا جائے۔

جب ساری دنیا میں اس طرح کا ماحول طاری تھا اس وقت اسلام تاریکی میں دبی ہوئی اس پوشیدہ فطرت کو آواز دے رہا تھا جو اس ماحول کو ناپسند کرتی تھی۔ پھر فطرت نے اسلام کی آواز کو قبول کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی آواز کو سنا جو تمام انسانوں کو مخاطب کر رہی تھی:۔

| | |
|---|---|
| يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط<br>(الحجرات ۱۳) | لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بیشک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ |

اس نے خاص قریش کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا:۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔

اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:۔

| | |
|---|---|
| یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم | لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنائے |

| | |
|---|---|
| لآدم وادم من تراب ان | گئے تھے تم میں سے سب سے زیادہ معزز |
| اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم | وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ عربی کو |
| ولیس لعربی علیٰ عجمیؔ | عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور |
| ولا لعجمی علیٰ عربی و لا | گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں |
| لاحمر علیٰ اسود ولا لابیض | مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔ |
| علیٰ احمر فضل الا بالتقویٰ۔ | |

آپؐ نے خاص اہل قریش سے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| یا معشر قریش، اشتروا | اے اہل قریش! اپنے لیے کمالو، میں اللہ تعالیٰ |
| انفسکم لا اغنی عنکم من | کے پاس تمہارے ذرا بھی کام نہ آؤں گا۔ |
| اللّٰہ شیئاً و یا بنی عبد مناف | اے بنی عبد مناف! میں اللہ تعالیٰ کے پاس |
| لا اغنی عنکم من اللّٰہ شیئاً | تمہارے ذرا بھی کام نہ آؤں گا۔ اے عباس |
| یا عباس بن عبد المطلب | ابن مطلب! میں اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے |
| ما اغنی عنك من اللّٰہ شیئاً | ذرا بھی کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ بنت محمدؐ! |
| یا فاطمة بنت محمدؐ سلینی | میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ |
| ما شئت من مالی لا اغنی | لو، اللہ تعالیٰ کے پاس میں تمہارے ذرا بھی |
| عنكِ من اللّٰہ شیئاً۔ | کام نہ آؤں گا۔ |

(متفق علیہ)

فطرت نے اس مقبول آواز کو سنا اور اس سے ماحول کا تاریک پردہ چاک ہو گیا، پھر وہ الٰہی نظام کے ساتھ چل پڑی۔ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ

کی عام سنّت کے مطابق ہوا جو ہر وقت ممکن ہے۔

جزیرۃ العرب میں الٰہی نظام کا دور دورہ شروع ہوا تو اسی نظام پر اس کی اقتصادیات کی بنیاد بھی قائم ہوئی۔ کوئی ہرگز یہ نہ سمجھے کہ محض انفرادی معاملات کی تنگ حدود میں یہ تبدیلی آئی۔ قریش گرمی میں شام سے اور جاڑے میں یمن سے کافی بڑے پیمانے پر تجارت کرتے تھے۔ اس تجارت میں قریش کے راس المال پر نفع دیا جاتا تھا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ غزوۂ بدر میں ابوسفیان کے جس قافلے پر مسلمانوں نے گھات لگائی تھی اور وہ بچ کر نکل گیا تھا وہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا جن پر کافی سامان لدا ہوا تھا۔ اگر سود صرف انفرادی معاملات کی حد تک ہوتا اور اقتصادی زندگی کے عام نظام میں شامل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سود کی بار بار مخالفت نہ فرماتا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس مخالفت کی تکرار کرتے۔

یہ مال و دولت، یہ تجارتی سرگرمیاں اور وہ اقتصادی نظام جس کی بنیاد پر یہ سب کچھ ہو رہا تھا وہ سود کی بنیاد پر قائم تھا۔ بعثت نبوی سے قبل ملکی اقتصادیات اسی نظام پر مشتمل تھی۔ مدینہ میں بھی یہی صورتحال تھی۔ وہاں کی اقتصادیات پر یہودی چھائے ہوئے تھے جو سود کو اپنی اقتصادیات کی اساس قرار دیتے ہیں۔ اسلام آیا تو اس نے اس ظالمانہ و جابرانہ بنیاد ہی کی مخالفت کی۔ اور اس کے بدلے ایک دوسری بنیاد پیش کی۔ یہ بنیاد تھی زکوٰۃ، قرض حسنہ، تعاون اور ایک دوسرے کی کفالت و مدد کی بنیاد۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ

بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ
الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا
يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ
اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا
وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا
يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا

وظاہر (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہتے ہیں
ان کا صلہ پروردگار کے پاس ہے اور ان
کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف
ہوگا اور نہ غم۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ
(قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے
— جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا
ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا
بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسا
سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال
کیا ہے اور سود کو حرام، تو جس شخص کے
پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے
سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا اور (قیامت
میں) اس کا معاملہ خدا کے سپرد۔ اور جو پھر
لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ
دوزخ میں جلتے رہیں گے۔ خدا سود کو نابود
(یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو
بڑھاتا ہے اور خدا کسی ناشکرے گناہ گار
کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان لائے
اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے

| | |
|---|---|
| خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ | رب کے ان کو ان کے کاموں کا صلہ خدا کے |
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ | یہاں ملے گا۔ اور (قیامت کے دن) ان کو |
| وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا | نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ |
| اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ | مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو |
| تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ | تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ |
| وَرَسُوْلِهٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ | اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم ) |
| رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ | خدا اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار |
| وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ | ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے تو تم کو اپنی |
| عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ط | اصلی رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں |
| وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ | کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔ اور اگر |
| كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا | قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے کشائش |
| تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ قف ثُمَّ | (کے حاصل ہونے) تک مہلت دو اور اگر |
| تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ | (زر قرض) بخش دو تو وہ تمہارے لیے |
| هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ ۲۷۴-۲۸۱) | زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو اور اس دن سے |

ڈرو جبکہ تم خدا کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔

فطرت نے دیکھا کہ الٰہی دعوت اس صورتحال سے بہتر ہے جس میں وہ گھری ہوئی ہے اور سودی نظام کی گرتی ہوئی بنیاد سے الگ ہو گئی جبکہ انسانی زندگی جن اقتصادی حالات اور اصولوں پر قائم تھی ان کے جال سے

نکلنا سخت دشوار تھا۔ لیکن ان ساری دشواریوں کے مقابلے میں فطرت کا جذبۂ قبولیت کہیں زیادہ قوی تھا، چنانچہ مسلم معاشرہ اس جاہلی لعنت سے پاک ہوگیا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عام سنّت کے مطابق ہوا۔ جو ہر ایسے وقت ممکن ہے جب فطرت کو آواز دی جائے اور وہ تاریکی کا پردہ چاک کر کے نکل آئے۔

ماحول کے فطرت کے غلبے، تاریکیوں سے اس کے نکلنے اور جاہلیت کے پیدا کردہ خارجی اثرات پر غالب ہونے کے سلسلے میں یہ تین مثالیں کافی ہیں جو عقائد و نظریات، حالات و رسوم اور اقتصادیات و معاملات کی حقیقت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ماحول پر انھیں تینوں چیزوں کی زیادہ گہری چھاپ ہوتی ہے اور انہی کو عقیدۂ و فطرت کی قوت سے ناواقف لوگ حقائق سمجھ لیتے ہیں۔ اسلام اس ماحول کے سامنے عاجز و درماندہ اور مفلوج بن کر نہیں رہا بلکہ اسے باطل قرار دیا یا اسے بدل دیا اور اس کی جگہ گہری اور ٹھوس بنیاد پر ایک دوسری بلند و منفرد عمارت قائم کی۔

یہ جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ کے مطابق ہوا۔ خرقِ عادت کے طور پر نہیں۔ اور جو ایک بار ہو چکا ہے وہ دوسری بار بھی ہو سکتا ہے۔ جو بھی فطرت کی محفوظ طاقت کو نکالے اور مجتمع کرے گا اور اسے صحیح رُخ پر ڈالے گا، وہ اس طرح کی عمارت کھڑی کر سکے گا۔

پھر انسانیت آج اس صحیح رُخ کو اپنانے پر زیادہ قادر ہے کیونکہ اس کی تاریخ و زندگی میں اس کے پہلے زریں دور کی نشانیاں اور آثار

موجود ہیں۔

پہلے دور میں اسے انتہائی بدترین اور سنگدلانہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پھر بھی اس نے اپنا راستہ اپنایا اور اپنے پیچھے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔

---

## چھٹا باب

# تجربات کا حاصل

اسلام نے پہلی بار انسانیت کا سامنا تنہا فطرت کی قوت سے کیا۔ فطرت اس دین کے ساتھ تھی برخلاف ان نسلوں کے جن پر وسیع وعریض جاہلی ماحول کے تاریک اثرات چھا چکے تھے اور انہیں فطرت سے دور کر چکے تھے لیکن فطرت اس دبیز تاریکی سے زیادہ طاقتور تھی اور تاریکی کے اس پردے کو چاک کرنے کی کافی قوت وصلاحیت رکھتی تھی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں: اسلام کا دور اوّل ایک عجیب وغریب دور تھا جو بلاشبہ انسانیت کی معراج، روشنی کا مینار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وتدبیر کا مثالی مظہر تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ عملی زندگی میں اس منفرد نمونے کو دکھایا جاسکے تاکہ اس کے بعد وہاں تک پہنچنے اور انسانی صلاحیت کے مطابق پھر وہی ماحول پیدا کرنے کی کوشش برابر جاری رہ سکے۔ یہ دور اپنے ماحول کے مزاج وطبیعت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ جب فطرت کو رہنمائی وقیادت اور تربیت وعمل کا موقع ملا تو وہ اس شکل میں سامنے آئی۔ یہ صحیح ہے کہ انسانیت

مجموعی طور پر اس دور کے بعد بہت بعد دنوں تک اس بلند چوٹی پر برقرار نہیں رہ سکی جہاں تک اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایک منتخب گروہ پہنچ چکا تھا۔ جب اسلام چاروں طرف ایسی عجیب و غریب تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا۔ جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو امتِ اسلامیہ میں اکثریت اس گروہ کی نہیں باقی رہ گئی جسے آہستہ آہستہ اور منفرد تربیت دی گئی ہو اور عام لوگوں کے دلوں میں جاہلی اثرات گھر کرنے لگے اور انھیں اس بلند چوٹی سے نیچے کی طرف لانے لگے کیونکہ اس بلند چوٹی تک پہنچنا اپنی ساری تربیت اور فطرت سے ہم آہنگی کے ساتھ کسی منتخب گروہ ہی کا کام تھا۔

تقریبًا ایک ہزار سال تک مسلم معاشرہ اس بلند چوٹی سے نیچے مختلف معیاروں تک قائم رہا۔ لیکن ان میں سے ہر معیار دنیا بھر میں موجود دیگر معاشروں کے معیار سے بلند تھا۔ باوجودیکہ یہ سارے معاشرے اس بلند مسلم معاشرے سے رہنمائی و روشنی بھی حاصل کرتے رہے جیسا کہ منصفانہ تاریخ پوری طرح گواہی دیتی ہے۔

---

انسانی تاریخ میں وہ منفرد دور اور بلند معیاروں کے یہ ہزار سال بالکل رائیگاں نہیں گئے، نہ انسانیت پھر اسی مقام پر جا پہنچی جہاں اسلام سے پہلے تھی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنّت کے خلاف ہے۔ انسانیت کا جسم زندہ و متحرک ہے، جو تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس علم کو

جمع رکھتا ہے چاہے اس پر جاہلیت کے پردے ہی کیوں نہ پڑ جائیں اور
تاریکی و ظلمت کا غلبہ ہی کیوں نہ ہو جائے، علم و تجربات کا حاصل نہ صرف
پوشیدہ و باقی رہتا ہے بلکہ عموماً جسم میں اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

اسلامی دعوت جب پہلی بار آئی تھی تو اس نے محض فطرت کی
قوت سے انسانی ماحول کا مقابلہ کیا تھا (یہاں سابقہ رسالتوں کے
بچے کھچے دھندلے اثرات کو نظر انداز کرنا مقصود نہیں، لیکن یہ رسالتیں
بہرحال پوری نوع بشر کے لیے ہونے کے بجائے مختلف قوموں کے ساتھ
متعلق تھیں)، آج ہم فطرت کی پوشیدہ قوت کے ساتھ پوری انسانی
زندگی میں اسلامی نظام کے پہلے دور کے اثرات بھی پاتے ہیں۔ کچھ لوگ
ایمان لائے، کچھ اسلام میں داخل ہوئے، کچھ اسلامی حکومتوں کے
زیر سایہ رہے اور کچھ اسلام کے فروغ و توسیع سے متاثر ہوئے۔ اسی
طرح ہم انسانی زندگی کے ان تلخ تجربات کے اثرات بھی پاتے ہیں جب
وہ خدا سے دور ہو کر تاریکی میں جا پڑی اور زندگی کی تلخیوں سے
دوچار ہوئی۔

جن اصول و نظریات، جن اقدار و معیارات اور جن حالات
اور نظام کے ساتھ اسلام نے پہلی بار انسانیت کا سامنا کیا اور اس
کے ساتھ سوائے فطرت کی طاقت کے کچھ بھی نہیں تھا، انسانیت نے
جن کا شدّت سے انکار اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ کیونکہ اس وقت یہ چیزیں
بالکل ہی اجنبی و نامانوس تھیں اور ان کے اور ماحول کے درمیان

زبردست خلیج حائل تھی۔ سارے اصول و نظریات بنی نوع انسان کی زندگی میں جاگزیں ہوئے اور کچھ دنوں تک اپنی مکمّل آب و تاب کے ساتھ برقرار رہے۔ پھر ایک لمبے عرصہ تک وسیع و عریض اسلامی دنیا کی زندگی میں مختلف معیاروں کے ساتھ باقی رہے اور چودہ سو برس کے دوران ساری دنیا عمل و تجربے سے نہ سہی، علمی طور پر اس سے ضرور ہی واقف ہو گئی۔ اس طرح یہ اصول و نظریات انسانیت کے لیے نامانوس و غیر معروف نہیں رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانیت نے ان اصولوں کا پورا مزہ اس منتخب گروہ کی طرح اور اس منفرد دور کے علاوہ کبھی نہیں چکھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ جب ان میں سے بعض اصولوں کو موجودہ دور سمیت مختلف ادوار میں نافذ و منطبق کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کی پوری روح نہ حاصل ہو سکی، نہ پوری مطابقت پیدا ہو سکی۔ یہ بھی غلط نہیں کہ اس بلند چوٹی تک پہنچنے کی کوششیں برابر جاری ہیں۔ یہ سب کچھ سہی لیکن نظریاتی اور فطری اعتبار سے دیکھا جائے تو آج انسانیت اس دن کے مقابلے میں جب یہ نظام پہلی بار آیا تھا اور پوری طرح نامانوس و اجنبی تھا، مجموعی طور پر اس نظام کے مزاج کا ادراک کرنے اور اسے اختیار کرنے سے زیادہ قریب ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے یہاں ہم مختصر طور پر کچھ مثالیں پیش کریں گے۔ اس لیے کہ اس مختصر کتاب میں تفصیل میں پڑنے کے بجائے محض اشارات ہی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی

نظام نے اپنے دور میں دنیا کے مختلف گوشوں میں اور زندگی کے ہر میدان میں جو اثرات قائم کیے ہیں وہ اتنے وسیع و عریض ہیں کہ کوئی صاحبِ قلم ایک ہی بحث میں ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس دور نے زندگی کے ہر گوشے میں مختلف نقوش چھوڑے ہیں اور دنیا کی تمام بڑی تاریخی تحریکوں کا منبع و سرچشمہ انہی نقوش و اثرات کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

---

یورپ میں دینی اصلاح کی جو تحریک مارٹن لوتھر اور کالفن نے چلائی تھی اور آج تک یورپ میں احیاء کی جتنی تحریکیں اس کے زیر اثر چل رہی ہیں مثلاً کلیت پسندانہ نظام کے خاتمے اور بالاتر طبقہ کی حکمرانی سے آزادی کی تحریک، مساوات کی تحریک، انسانی حقوق کا اعلان، انقلاب فرانس، تجرباتی طریق کار کی تحریک جس پر یورپ کی علمی برتری کی بنیاد ہے اور جس کی بدولت جدید دور میں حیرت انگیز اور زبردست سائنسی انکشافات ہوئے ہیں اور اس طرح کی دوسری بڑی تحریکیں جنھیں لوگ تاریخی ارتقاء کا نتیجہ سمجھتے ہیں، ان سب کی جڑیں اسی اسلامی فروغ کے دور میں پنہاں ہیں اور یہ ساری تحریکیں اس سے گہرائی کے ساتھ اور بنیادی طور پر متاثر ہیں۔

ڈاکٹر احمد امین (مصری) نے اپنی کتاب "ضحی الاسلام" میں لکھا ہے کہ:-

"عیسائیوں میں ایسے مسائل و تنازعات پیدا ہوئے جن میں اسلام کا اثر صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً آٹھویں صدی عیسوی (دوسری و تیسری صدی ہجری) میں سپٹمانیہ (فرانس کا ایک صوبہ) میں ایک تحریک

شروع ہوئی جو پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کے اعتراف سے روکتی تھی اور اس کا کہنا تھا کہ پادریوں کو اس کا کوئی حق حاصل نہیں کسی انسان نے اگر کوئی گناہ کیا ہے تو اس کی مغفرت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلانا چاہیئے۔ اسلام میں پادریوں اور راہبوں کا کوئی تصور نہیں اس لیے اس طرح کے اعتراف کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسی طرح ایک دوسری تحریک آٹھویں و نویں صدی عیسوی (تیسری و چوتھی صدی ہجری) میں پیدا ہوئی جو تصویروں اور دینی مجسموں کی توڑ پھوڑ پر آمادہ کرتی تھی اور ان کی تقدیس کی منکر تھی۔ شہنشاہ لیوسوم نے ۷۲۶ء میں ایک حکم جاری کیا جس میں تصویروں اور مجسموں کی تقدیس کو ممنوع قرار دیا گیا تھا، پھر ۷۳۰ء میں ایک دوسرا حکم جاری کیا جس میں تصویروں اور مجسموں کی تقدیس کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ قسطنطین پنجم اور لیو چہارم کے خیالات بھی ایسے ہی تھے۔ دوسری طرف جریجوری ثانی و ثالث قسطنطنیہ کے پوپ جرمانوس اور ملکہ ایرینی تسویروں کی عبادت کی قائل تھیں، چنانچہ دونوں گروپوں کے درمیان شدید نزاع کا آغاز ہوگیا جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بہت سے مؤرخین نے یہ دعوے کھل کر کیا ہے کہ تصویروں اور مجسموں سے انکار کی تحریک اسلام سے متاثر تھی۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ تورین کا پوپ کلوڈیس Cloudius جس کا تقرر ۸۲۸ء میں عمل میں آیا تھا اور جو تصویروں اور صلیبوں کو جلاتا اور ان کی عبادت سے روکتا تھا اس کی ولادت اور تربیت اسلامی اندلس میں

ہوتی تھی۔ اسی طرح عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا بھی ملتا ہے جو تثلیث کے
عقیدے کی تشریح وحدانیت سے ملتی جلتی کرتا ہے اور حضرت مسیحؑ کی الوہیت
کا منکر ہے۔" ضحی الاسلام ص ۱۶۴-۱۶۵۔

گیارہویں صدی عیسوی میں جب صلیبی فوجیں اسلامی مشرق سے
واپس گئیں تو اپنے ساتھ اسلامی معاشرے کی تصویر اور اثرات بھی لے گئیں۔
وہ ان تبدیلیوں سے بھی آگاہ ہوئیں جو اسلامی معاشرے میں پیدا ہوئی تھیں
اور ان کے پیشِ نظر جو تبدیلی سب سے نمایاں تھیں وہ مساوات تھی۔ انھوں
نے دیکھا کہ حاکم و محکوم سب ایک ہی قانون کی پابندی کرتے ہیں جس میں
بالاتر طبقے کی خواہش و ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا جیسا کہ اس زمانے
میں یورپ میں تھا۔ اسی طرح اپنے حدود میں شخصی آزادی، انفرادی ملکیت
کا تصور، دولت و جائداد بڑھانے کی آزادی، وراثتی بالاتر طبقے کا عدم
وجود، اور ہر فرد کے لیے یہ آزادی کہ وہ کسی بھی وقت اپنی کوشش سے
معاشرے میں اپنا مقام بلند کر سکتا ہے۔ ان ساری نمایاں خصوصیات
سے اہلِ یورپ آنکھیں بند نہیں رکھ سکتے تھے جو جاگیردارانہ نظام میں غلام بن کر رہتے تھے۔
ان کا قانون ان کے آقا کا ارادہ ہوتا تھا اور سماج میں ان کا طبقاتی درجہ متعین تھا کیونکہ
شرافت اور بالاتر مقام وراثتاً ہی مل سکتا تھا۔ یہیں سے یورپ میں ___ دیگر اقتصادی
عوامل کی مدد کے ساتھ ___ ایسے نعرے بلند ہوئے جنہوں نے بتدریج جاگیردارانہ نظام کا
خاتمہ کر دیا اور زمین کی غلامی سے افراد کو آزاد کر دیا۔ اگرچہ ساری دوسری قیدوں سے وہ
انھیں نجات نہیں دلا سکے اور ان کا معاشرہ اسلامی معاشرے کے درجہ تک نہیں پہنچ سکا

اندلس (اسپین) کی یونیورسٹیوں، اسلامی مشرق کی تہذیب وثقافت — جو غالب عالمی تہذیب بن چکی تھی — اور یورپ میں عالم اسلام سے متعلق کتابوں کے ترجموں سے چودہویں صدی عیسوی میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک پیدا ہوئی۔ اسی طرح جدید علمی تحریک، بالخصوص تجرباتی طریق کار کی تحریک کا آغاز ہوا۔

بریفورٹ نے اپنی کتاب "تعمیر انسانیت" (MAKING OF HUMANITY) میں لکھا ہے:-

"جدید دنیا کو عربی تہذیب[1] سے جو کچھ ملا اس میں سب سے اہم علم تھا۔ اگرچہ اس کے نتائج کافی طویل مدت کے بعد بار آور ثابت ہو سکے۔ اندلس میں عربی تہذیب وثقافت نے جس عبقریت کو جنم دیا تھا اس کا شباب بہت دنوں کے بعد آیا۔ اس سے قبل تہذیب تاریکی کے پردے میں چھپی ہوئی تھی۔ یورپ میں زندگی پیدا کرنے والی چیز صرف علم نہیں بلکہ وہ عوامل بھی ہیں جن کا اثر اسلامی تہذیب کی بدولت یورپ کی زندگی پر پڑا۔ یورپ کی ترقی کے مختلف گوشوں میں کوئی گوشہ ایسا نہیں جو قطعی طور پر اسلامی تہذیب کے اثرات کا نتیجہ نہ ہو۔ یہ اثرات انتہائی واضح اور اس طاقت کی نشوونما میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں جو دنیا —

---

[1] یورپ کے اہل قلم مکر وخباثت کی بنیاد پر اسلامی تہذیب کو عربی تہذیب کا نام دیتے ہیں۔ اسلام کا لفظ ان کے دلوں کے لیے بار ثابت ہوتا ہے اور اسلام کو عرب کے دائرے میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے ایک خصوصی قوت اور اس کی ترقی کا ذریعہ یعنی سائنسی علوم و علمی جستجو کی روح کو ٹھوس و مستحکم بناتی ہے۔

ہمارا علم عربوں کے سامنے ان کے حیرت انگیز انکشافات اور نئے نظریات کی بنیاد پر نہیں جھکتا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ ان کی تہذیب و ثقافت کے سامنے جھکتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پرانی دنیا میں علم کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یونانیوں کا علم نجوم اور ریاضت اجنبی علوم تھے جنھیں عربوں نے بیرونی ملک و بیرونی افراد سے حاصل کیا تھا لیکن یہ نظریات کبھی بھی یونانی ثقافت میں رچ بس نہیں سکے۔ یونانیوں نے مذاہب کو منظم کیا، احکام کو عمومیت کی شکل دی، نظریات وضع کیے لیکن بحث کے اسلوب، مثبت معلومات کی فراہمی اور انھیں مرکوز کرنا، علم کے تفصیلی مناہج، مستقل گہری نظر اور تجرباتی تحقیق، یہ سب کچھ یونانی مزاج کے لیے قطعاً اجنبی تھا۔ آج ہم جسے علم کہتے ہیں وہ تحقیق و جستجو کی نئی روح، تجربہ و تحقیق کے نئے طریقوں کو آزمانے اور ریاضیات کو نئی صورت دینے کے نتیجے میں یورپ میں ظاہر ہوا۔ اور یہ روح اور علمی اسلوب یورپ میں عربوں کے ذریعہ آیا۔

رڈ گر بیکن نے عربی زبان و علوم آکسفورڈ میں اندلس کے عرب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) محصور کر دینے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ اسلام اس تنگ دائرے سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ یہ اہل قلم اپنی اس چال سے اہل اسلام کے درمیان نسلی و علاقائی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

معلّمین کے جانشینوں سے حاصل کیے۔ رڈگر بیکن اور فرانسس بیکن کو اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ تجرباتی اسلوب کو اپنی جدت و ایجاد قرار دیں کیونکہ رڈگر بیکن مسیحی یورپ بھیجے جانے والے اسلامی علم و اسلوب کے ایلچیوں میں سے ایک تھا اور وہ کبھی یہ اعلان کرنے سے نہیں چوکا کہ اس کے عہد میں عربی زبان و عرب علوم کی تعلیم ہی صحیح علم و معرفت کا واحد ذریعہ تھی۔ تجرباتی اسلوب وضع کرنے والوں کے بارے میں جو اختلافات اور بحثیں چھڑی ہیں وہ یورپ کی تہذیب کے سرچشموں کے بارے میں زبردست تحریف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بیکن کے عہد میں عرب اسلوب کافی پھیل چکا تھا اور یورپ کے مختلف حصوں میں لوگ اس کے حصول کے لیے دیوانہ وار آگے بڑھ رہے تھے۔ بیکن کے علوم کا سرچشمہ بلاشبہ اندلس کی اسلامی یونیورسٹیاں ہی ہیں۔ اس کی کتاب (CE PUSME JUS) کا پانچواں حصہ جسے اس نے بصریات کے موضوع پر بحث کے لیے خاص کیا ہے، درحقیقت ابن الہیثم کی کتاب "المناظر" کا چربہ ہے۔"

نیویارک یونیورسٹی کے پروفیسر ڈریپر نے اپنی کتاب "معرکۂ مذہب وسائنس" میں لکھا ہے کہ:۔

"مسلم علماء پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ عقلی و نظریاتی اسلوب ترقی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ حقیقت پانے کے واقعات کا بذات خود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اختلاف بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

مشاہدہ ضروری ہے۔ یہیں سے انھوں نے اپنی تحقیقات میں تجرباتی اور عملی وحسی اسلوب اپنایا۔ اس عملی نقل وحرکت کے نتائج ان کے دور میں صنعتوں میں ہونے والی نمایاں ترقی میں ظاہر ہیں۔ ان کتابوں میں اسے علمی نظریات وخیالات دیکھ کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں جنھیں ہمعصر حاضر کے علم کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ مثلاً: کائنات کے ارتقاء ونشوونما کا نظریہ ان کے مدارس میں پڑھایا جاتا تھا حالانکہ اسے جدید نظریہ سمجھا جاتا ہے، بلکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھ چکے تھے اور معدنیات وجامد اشیاء پر نشوو ارتقاء کے نظریے کو تطبیق دیتے تھے۔[1] علم طب میں انھوں نے علم کیمیا سے استفادہ کیا۔ میکنک میں انھوں نے جسم کے زوال کے قوانین متعین کیے۔ علم حرکت سے وہ پوری طرح آگاہ تھے۔ روشنی اور نگاہ کے نظریات میں ان کی مہارت کا یہ حال تھا کہ انھوں نے اس یونانی نظریے کو بدل دیا کہ دیکھنے کا کام شعاع کے بصر سے جسم مرئی میں داخل ہونے سے ہوتا ہے۔ وہ شعاعوں کے انعکاس کے نظریے سے واقف تھے حسن بن الہیثم نے اس منحنی شکل کا انکشاف

---

[1] یورپ کے اہل قلم اسلام وفکر اسلامی کے ساتھ انصاف کے مظاہرے کے نام پر اس طرح کی بات کہتے ہیں لیکن مسلمانوں نے ارتقاء کا جو نظریہ پیش کیا تھا وہ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء سے قطعاً مختلف تھا کیونکہ مسلم علماء نے مخلوقات کے درمیان مراتب کے فرق کو ملحوظ رکھا تھا انھوں نے ڈارون کی طرح انسان کی اصل جانور سے نہیں جوڑی تھی، بلکہ اسلامی نظریے کے مطابق انسان کو ایک مستقل مخلوق قرار دیا تھا۔

کیا جو شعاع فضا میں چلتے وقت اختیار کرتی ہے۔ اور اس سے یہ ثابت
کیا کہ ہم چاند و سورج کو افق میں ظاہر ہونے کے کچھ دیر بعد دیکھتے ہیں
اور غروب کے کچھ دیر بعد تک دیکھتے رہتے ہیں۔"

(الاسلام دین علم خالد" مصنفہ محمد فرید وجدی ۲۳۳ھ)

---

اسلامی اسلوب و زندگی کے جو آثار و نقوش انسانی تاریخ اور بڑی عالمی تحریکوں میں نمایاں ہیں ان کا اسی قدر ذکر یہاں کافی ہے کیونکہ اس سے اس بڑی حقیقت کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے جسے اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ آج ہم نئی تہذیب کی پیش قدمی دیکھتے ہیں تو اپنی سادگی و غفلت سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں، اس کے نشوونما میں ہمارا کوئی اثر نہیں اور یہ کوئی ایسی چیز ہے جو ہماری اور ہماری تاریخ کی دسترس سے بالاتر ہے، حالانکہ یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے ناواقف ہیں اور اگر اس کے بارے میں کچھ جانتے بھی ہیں تو اپنے مخالفین کی زبان سے سن کر جنھیں اس کے سوا کوئی فکر نہیں کہ اسلامی نظام کے مطابق اسلامی زندگی کے امکان سے ہمارے دلوں میں مایوسی پیدا کر دیں۔ اس سلسلے میں ان کی مصلحت یہ ہے کہ انھیں اندیشہ ہے کہ عالمی قیادت کی زمام کہیں ان کے ہاتھوں سے نہ چھن جائے لیکن آخر ہم کیوں ان باتوں کو طوطے کی طرح رٹتے رہیں۔

یہاں محض ان نقوش و آثار کی طرف اشارہ کرنا مقصود

تھا جن سے اسلامی عروج کے دور میں پہلی بار انسانیت واقف ہوئی تھی۔

آج انسانیت ان کے ادراک وتصوّر پر زیادہ قدرت رکھتی ہے۔

---

ساتواں باب

# نقوشِ جاوداں

جب سطحِ زمین سے اسلامی عروج کا دور ختم ہوگیا، جاہلیت نے پھر وہ زمامِ قیادت سنبھال لی جو اسلام نے اس سے چھین لی تھی اور شیطان پھر خم ٹھونک کر میدان میں آگیا تو بھی انسانی زندگی مکمل طور پر پہلی جہالت کے دور میں واپس نہیں لوٹی۔ کیونکہ اسلام بہر حال موجود تھا اور اسکے پیچھے وسیع و عریض نقوش و آثار اور ٹھوس بنیادیں تھیں جنھیں اس نے انسانی زندگی میں تعمیر کیا تھا اور جو لوگوں کے لیے مانوس و معروف ہو چکی تھیں۔ اس باب میں ہم ان ٹھوس بنیادوں اور نقوش کی طرف مختصراً اشارہ کریں گے۔

اسلام جب پہلی بار دنیا میں آیا تو جزیرۃ العرب اور پوری دنیا قبائلی، خاندانی، شہری، وطنی اور رنگ و نسل کی عصبیتوں میں بری طرح جکڑی ہوئی تھی۔ انسانیت اس زمانے میں ان تنگ گھیروں سے نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ انسانیت

ایک ہے، تمام انسانوں کی اصل ونسل ایک ہے، رنگ ونسل اور قبائل وعلاقہ کا اختلاف باہم پہچان اور انس کے لیے ہے، جھگڑے اور انتشار کے لیے نہیں۔ انھیں زمین میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لیے بھیجا گیا ہے اور پھر سب کو اسی کے پاس لوٹنا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (الحجرات ۔ ۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ (النساء ۱)

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور خدا سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو۔ اور (قطع مودّت) ارحام سے بچو، بلا شبہ خدا دیکھ رہا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ

اور اسی کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور ر

وَاَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ (الرّوم ۲۲) — رنگوں کا جدا جدا ہونا۔ اہل دانش کے لیے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

یہ صرف نظریاتی اصول نہیں تھے بلکہ اسلام نے عملی صورت میں انھیں پیش کیا۔ اسلام جس علاقے میں بھی پہنچا وہاں اس نے تمام نسلوں اور رنگوں کے لوگوں کو اپنے اندر شامل کیا اور سب اسلامی نظام میں باہم گھُل مل گئے۔ رنگ، نسل، طبقوں اور قبیلوں کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہ گیا، بلکہ سب بھائی بھائی بن گئے، ساتھ ہی ہر فرد کی انفرادیت بھی برقرار رہی۔ یہ نقش پوری دنیا میں جاوداں بن گیا۔ جبکہ پہلے انتہائی نامانوس اور اجنبی تھا اور شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی جاتی تھی، پھر اسلام کے عروج کا دور گزر جانے کے باوجود انسانیت اس کا پوری طرح انکار نہیں کر سکی نہ اس سے بالکل نامانوس ہو سکی، اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ اسلامی معاشرے کی طرح اس کی بھرپور نمائندگی باقی نہیں رہی، اور رنگ و نسل، قوم و وطن اور علاقہ و زبان کی عصبیتیں آج بھی برقرار ہیں۔ امریکہ اور جنوبی افریقہ وغیرہ میں سیاہ فام انسانوں کو تکلیف دہ سلوک کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن انسانی وحدت کی آواز آج بھی بلند ہوتی ہے اور وہ نقش قائم ہے جو اسلام نے کھینچا تھا۔ چھوٹی چھوٹی عصبیتیں اٹھتی اور دبتی رہتی ہیں کیوں کہ انکی بنیاد اصل و مستحکم نہیں ہے۔ اسلام نے اپنے عروج کے پہلے دور میں فطرت کی قوت پر انحصار کیا تھا اور آنے والی نسل کے لیے اس قوت کے ساتھ اپنے نقوش و آثار بھی چھوڑے ہیں جن کا ادراک

آج انسانیت زیادہ کر سکتی ہے۔

اسلام کی آمد کے وقت انسانیت متعین طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئی تھی۔ "شرافت" و برتری مخصوص گھرانوں کے ساتھ خاص تھی، عوام کی کوئی قیمت نہ تھی نہ کوئی عزت و وزن۔ اسلام نے اعلان کیا کہ انسان کی عزت و مقام اس کے انسانی اوصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ ذات پات، رنگ و نسل، دولت و منصب اور دیگر عارضی بنیادوں پر اس کا دارومدار نہیں ہے اس لیے انسان کے اصلی حقوق اس کی انسانیت کے ساتھ مربوط ہیں جس کی اصل ایک ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل ۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ ۳۰)

اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط

اور جب ہم نے حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے

| | |
|---|---|
| اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○ (البقرہ ۳۴) | انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔ |
| وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ ط (الجاثیہ ۱۳) | اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا۔ |

اسی دن سے لوگوں نے یہ جانا کہ انسان بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک اونچا مقام رکھتا ہے اور اس کا یہ مقام اصلی ہے۔ کسی جنس، نسل، رنگ، ملک، قوم، خاندان اور معاشرے کی بنیاد پر نہیں۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے بلند مرتبے پر فائز کیا ہے۔

یہ اصول محض نظریاتی نہیں تھے، بلکہ عموماً اہل اسلام میں ان کی مکمل نمائندگی موجود تھی۔ اہل اسلام نے ان اصولوں کو دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلا دیا اور لوگوں کی زندگی میں انھیں اثر انداز کر دیا، یہاں تک کہ سارے انسانوں نے جان لیا کہ وہ بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور ان کے انسانی حقوق ہیں۔ انھیں حکام و امراء کے محاسبے کا حق حاصل ہے اور یہ ان کا حق ہے کہ وہ ذلت و اہانت کو تسلیم نہ کریں۔ اسی طرح حکام و امراء نے یہ بھی جان لیا کہ عام لوگوں کے حقوق سے ان کے حقوق زیادہ نہیں ہیں اور انھیں کسی عام فرد کی عزت و وقار کو پامال کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

یہ انسان کی نئی پیدائش اور نیا ظہور تھا جو حسی پیدائش سے کہیں زیادہ عظیم تھی۔ کیونکہ اگر انسان کا کوئی مقام اور حقوق ہی نہ ہوں اور اگر

اس کے حقوق اس کی ذات کے ساتھ مربوط و متعلق نہ ہوں تو آخر وہ انسان ہی کیا ہے ؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ کیا تھا :۔

"لوگو! مجھے تمہارا ولی بنایا گیا ہے، اگرچہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں صحیح اقدام کروں تو میری مدد کرو۔ اور اگر میں غلط راستے پر چلوں تو میری اصلاح کرو۔ میری اطاعت اسی وقت تک کرو جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں اور اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔"

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تقریر میں لوگوں کو حکام کے مقابلہ میں ان کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ :۔

"اے لوگو! خدا کی قسم میں تمہارے پاس گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں مسترتوں سے محروم کر دیں اور تمہارے اموال چھین لیں، میں انھیں تمہارے پاس اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں دین و سنت سکھائیں، اب اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا معاملہ میرے سامنے پیش کیا جائے۔ خدا کی قسم میں اس سے قصاص لوں گا۔"

یہ سن کر حضرت عمروؓ بن العاص اچھل کر کھڑے ہو گئے اور کہا :۔

"امیرالمؤمنین! اگر کوئی حاکم اپنی رعایا کو تادیب کرے تو کیا آپ اس سے قصاص لیں گے ؟"

حضرت عمرؓ نے کہا :۔

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں عمرؓ کی جان ہے ! میں اس سے ضرور قصاص لوں گا اور کیوں نہ لوں جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خبردار ! لوگوں کو اس طرح نہ مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں۔ نہ انھیں ان کے اہل و عیال سے بہت دنوں تک دور رکھو کہ وہ فتنے میں پڑ جائیں اور نہ انھیں ان کے حقوق سے محروم کرو کہ وہ کفر پر آمادہ ہو جائیں۔"

حضرت عثمانؓ نے تمام شہروں کے والیوں کو ایک مکتوب بھیجا تھا جس میں کہا گیا تھا :۔

"میں اپنے گورنروں کا ہر موسم میں ملاقات کے وقت مؤاخذہ و محاسبہ کروں گا۔ میں نے انھیں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ میرے خلاف یا میرے گورنروں کے خلاف اگر کوئی بات پیش کی گئی تو میں اسے منظور کر لوں گا۔ میرا یا میرے گورنروں کا رعایا سے پہلے کوئی حق نہیں۔ اہلِ مدینہ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ کچھ لوگ انھیں زدوکوب کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔ اگر کسی نے ایسا دعویٰ کیا تو موسم کا انتظار کرے۔ اسے اس کا حق ضرور ملے گا چاہے وہ مجھ سے متعلق ہو یا میرے گورنروں سے متعلق۔ یا پھر وہ صدقہ کر دیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دے گا۔"

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ اہمیت اس بات کی ہے کہ یہ محض نظریاتی

اصول و کلمات نہیں تھے، بلکہ عموماً انھیں تطبیق دیا جاتا تھا اور قوم میں یہ اصول پوری طرح عملاً سرایت کر گئے تھے۔

ابن قبطی کا واقعہ مشہور ہی ہے جس نے مصر کے فاتح گورنر عمرو بن العاص کے لڑکے سے مسابقت میں کامیابی حاصل کر لی تھی اور ابن عمروؓ نے اسے مارا تھا۔ قبطی نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے شکایت کر دی تھی اور حضرت عمرؓ نے موسم حج میں برسر عام قصاص لیا تھا۔ یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لوگوں میں اسلام نے آزادی کا کیسا رجحان پیدا کر دیا تھا۔

مصر اس وقت ایک مفتوحہ علاقہ تھا اور فتح بھی جلد ہی ہوئی تھی، پھر وہ قبطی مفتوحہ علاقہ کا ایک معمولی فرد تھا اور اپنے دین و مذہب پر قائم تھا۔ دوسری طرف حضرت عمروؓ بن العاص اس علاقہ کے فاتح اور پہلے اسلامی گورنر تھے۔ اس سے پہلے اس علاقے میں رومیوں کی حکومت تھی جو مصریوں کے ساتھ کوڑوں اور ڈنڈوں کی زبان سے بات کرتے تھے اور شاید اس قبطی کی پشت پر بھی ان کے کوڑوں کا نشان رہا ہو لیکن اسلام کے فروغ نے دنیا کے مختلف حصّوں میں آزادی کا جو ماحول پیدا کیا تھا اس نے اس قبطی کو رومیوں کے کوڑوں اور تذلیل کو بھلا دیا تھا اور ایک معزز و آزاد شخص بنا دیا تھا، اسے اس بات پر غصہ آجاتا ہے کہ حاکم کے لڑکے نے دوڑ میں شرکت اور ہارنے کے بعد اس لڑکے کو زدوکوب کیا، اپنے لڑکے کی عزت و وقار کے اس طرح مجروح ہونے کے خلاف

اس کا غصّہ اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ مصر سے سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس زمانہ میں نہ طیّارے تھے، نہ موٹر، نہ ریل تھی، نہ بحری جہاز، صرف اونٹ پر وہ مہینوں کا طویل سفر طے کرتا ہے تاکہ خلیفہ سے شکایت کر سکے۔ اس خلیفہ سے جس نے اسلام کے جھنڈے کے نیچے مصر کی فتح کے دن ہی اسے آزاد کر دیا تھا اور اسے عزت و عظمت کا وہ سبق ذہن نشین کرایا تھا جسے وہ رومیوں کے کوڑے کھا کھا کر فراموش کر بیٹھا تھا۔

اس طرح ہمیں اسلام کے فروغ کی گہرائی کو سمجھنا اور اس کا ادراک کرنا چاہیئے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ عادل تھے اور ان کے عدل وانصاف کی کسی زمانے میں مثال نہیں ملتی، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا عدل جس کا سرچشمہ اسلام اور اس کا نظام تھا دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیل گیا اور اس نے انسان کو بحیثیتِ انسان عزت و عظمت دی۔ یہ صحیح ہے کہ انسانیت اس بلند معیار تک کبھی نہیں پہنچی لیکن اسلام نے انسان کی عظمت و آزادی اور حکام و امراء کے تعلق سے اس کے حقوق کے بارے میں جو نقوش قائم کیے تھے انسانی زندگی میں ان کے اثرات برابر قائم رہے ہیں اور آج وہی اثرات "انسانی حقوق کے اعلان" وغیرہ کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ "انسانی حقوق کا اعلان" انسانی زندگی میں عملاً نافذ نہیں ہو سکا ہے اور انسان دنیا کے مختلف گوشوں میں ذلّت و اہانت اور محرومی و تعذیب

سے دوچار ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ بعض نظامہائے حیات نے انسان کو آلات سے کمتر مقام دے رکھا ہے۔ اور پیداوار بڑھانے اور بازاروں ومنڈیوں پر قبضہ کرنے کے مقاصد کے حصول کے لیے انسانی آزادی وعظمت اور اعلیٰ خصوصیات کو کچل کر رکھ دیا ہے لیکن اسلامی اثرات انسانی نظریات وتصوّرات میں بدستور کارفرما ہیں اور اسلامی نقوش کو اجنبی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اسلام آیا تو اس نے دیکھا کہ لوگ حسب نسب، رنگ ونسل اور علاقۂ وزمین کی بنیاد پر اکٹھا ہوتے ہیں جبکہ ان تعصّبات کا انسان کے جوہر سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ انسانی جوہر پر پردہ ڈال دینے والی چیزیں ہیں۔ اسلام نے اس اہم معاملے میں واضح طور پر اعلان کیا کہ انسانوں کے درمیان اتفاق واختلاف پیدا کرنے والی چیز رنگ ونسل، حسب ونسب، علاقہ وزمین اور مصالح ومنافع نہیں، بلکہ ایمان وعقیدہ اور اپنے رب کے ساتھ بندے کا تعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہی انسان کو انسانیت کے مقام پر پہنچاتا ہے اور اسی سے دنیا وآخرت میں انسان کے انجام کا فیصلہ ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پیدا کیا، اسے عزت وعظمت دی اور زمین وآسمان کی ہر چیز کو اس کے لیے مسخر کیا۔ لہٰذا اسی حقیقت کی بنیاد پر لوگوں میں فرق وامتیاز کیا جاسکتا ہے نہ کہ کسی اور عارضی بنیاد پر۔

جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کی بنیاد اس لیے بھی عقیدہ و ایمان ہے کہ یہی انسانی روح کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ انسانوں کو ایسی بنیاد پر جمع ہونا چاہیے جو انسانیت کی سب سے برتر اور افضل خصوصیت ہو، نہ کہ جانوروں کی طرح گھاس پات اور چراگاہوں وغیرہ کی بنیاد پر۔

دنیا میں دو ہی گروپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا گروپ اور شیطان کا گروپ۔ اللہ تعالیٰ کا گروپ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتا ہے اور اس کی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے۔ شیطان کا گروپ ہر ایسی قوم، افراد، گروپ اور نسل کو اپنے ساتھ شامل کر لیتا ہے جو اللہ تعالےٰ کے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔

امّت و ملّت نام ہے لوگوں کے ایک ایسے گروپ کا جنھیں عقیدہ و ایمان کی کڑی باہم ملاتی ہو۔ اس کڑی کے بغیر کوئی ملّت نہیں بن سکتی۔ زمین، علاقہ، نسل، زبان، حسب نسب اور مادی مصالح میں کوئی بھی شے امت کی تشکیل کے لیے کافی نہیں۔ انسانوں کو باہم اکٹھا کرنے والی چیز وہ فکر و تصوّر ہے جو انسانی عقل و ضمیر کو مطمئن کر دے۔ انسانی وجود اور زندگی کی تشریح کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق جوڑے جس نے اسے نہ صرف پیدا کیا بلکہ جانوروں سے اسے بہمہ وجوہ ممتاز و مختلف بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے اہل ایمان کے لیے بلا اختلاف رنگ و نسل اور زمان و مکان ۔۔ فرمایا:۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً　　یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے

وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ (الانبیاء ۹۲)

اور میں تمہارا پروردگار ہوں، تو میری ہی عبادت کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان امتیاز و فرق کی بنیاد صرف عقیدہ و ایمان کو قرار دیا:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المجادلہ ۲۲)

جو لوگ خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھوگے۔ —— خواہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر کی لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیضِ غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔ یہی گروہ خدا کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جنگ کا واحد راستہ —— اگر جنگ ناگزیر ہی بن جائے —— جہاد کو قرار دیا اور اہلِ ایمان وغیرہ مومنین کے مقاصد

متعین کر دیے :۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا (النساء ۷۶) | جو مومن ہیں وہ تو خدا کے لیے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کے لیے لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔ |

اسلام کی آمد کے وقت یہ بات لوگوں کے لیے بالکل نامانوس تھی کہ لوگ نسل و رنگ اور علاقہ و قبیلہ کی بنیادوں پر جمع ہونے کے بجائے عقیدہ و ایمان کی بنیاد پر جمع ہوں۔ اس "مذہبیت" (عصر حاضر کی تعبیر کے مطابق) کو اس وقت انتہائی عجیب و غریب سمجھا جاتا تھا لیکن آج انسانیت اس سے افادہ کر رہی ہے اور مختلف قوم و وطن اور رنگ و نسل کے لوگ عقیدہ کی بنیاد پر جمع ہو رہے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ پر ہونے کے بجائے اقتصادیات و سماجیات سے متعلق ہے لیکن یہ بات بہرحال واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ و فکر کی بنیاد پر جمع ہونا ممکن ہے۔ اب مسئلہ صرف اشارہ جاننا ہے کہ انسانیت اس سے بلند مقام تک پہنچے جس کی دعوت اسلام دیتا ہے۔

---

اسلام نے جب عقیدہ کی بنیاد پر لوگوں کو جمع کیا اور عقیدے ہی کو لوگوں کے درمیان فرق و امتیاز کی بنیاد قرار دیا تو اس نے عقیدے کے سلسلے میں جبر و اکراہ کا طریقہ نہیں اختیار کیا، نہ اس عقیدے کے

منکرین کے ساتھ ناروا اور وحشیانہ سلوک کی اجازت دی۔ اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان پر جہاد کو فرض ضرور قرار دیا ہے لیکن اس لیے نہیں کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے، بلکہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اپنا منصفانہ و مستحکم نظام قائم کریں اور اس نظام میں لوگ جو مذہب پسند کریں اسے اپنائیں اور برقرار رکھیں اور مسلمانوں و غیر مسلمین کے ساتھ مکمل عدل و انصاف کیا جائے۔

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ق لَا انْفِصَامَ لَهَا ط وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ه

(البقرہ ۲۵۶)

(دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے. ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور خدا (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے۔

اسلام نے اس علاقہ کو جہاں اسلامی نظام قائم ہو "دارالاسلام" قرار دیا، چاہے اس کے باشندے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اور اس علاقے کو "دارالحرب" قرار دیا جہاں اسلامی نظام قائم نہ ہو، اور اسلامی قوانین نافذ نہ ہوں چاہے اس علاقے کے باشندے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ پھر دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان تعلقات کے بارے میں انتہائی نظم و صفائی اور استحکام و اخلاق کا درس دیا؛

جنگل کے قانون کی بالادستی کی اجازت نہیں دی اور دار الحرب کے ساتھ ہر معاہدے و سمجھوتے کی مکمل پابندی کا حکم دیا:۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ

جانوروں میں سب سے بدتر خدا کے نزدیک کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے تم تے (صلح) کا عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑے ڈالتے ہیں اور (خدا سے) نہیں ڈرتے۔ اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انھیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں۔ عجب نہیں کہ ان کو (اس سے) عبرت ہو۔ اور اگر تم کو کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انھیں کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) بلاشبہ اللہ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور کافر یہ نہ خیال کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں وہ (اپنی چالوں سے ہم کو) ہرگز عاجز نہیں بنا سکتے اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے خدا

وَمَا تُنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ○ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

(الانفال ۵۵ - ۶۱)

کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔ اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ بلاشبہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے "حکومت کی مصلحت" کی دلیل کو مسترد کرتے ہوئے معاہدوں کو پورا کرنے کی تاکید کی اور انھیں توڑنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا:۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ط إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ط تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا

اور جب خدا سے عہد کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو جانتا ہے اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے محنت سے تو سوت کاتا پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے لگو کہ ایک

بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○

گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ غالب رہے۔ بات یہ ہے کہ خدا تمہیں اس سے آزماتا ہے اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اسکی حقیقت تم پر ظاہر کر دے گا۔

(النحل ۹۱ - ۹۲)

پھر جنگ کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس میں کسی کی حرمت کو پامال نہ کیا جائے، کسی بچے، بوڑھے اور عورت کو ہلاک نہ کیا جائے، کھیتی نہ جلائی جائے، کسی دودھ دینے والے جانور کو نہ مارا جائے، کسی انسان کا مُثلہ نہ کیا جائے اور انہی افراد کو نشانہ بنایا جائے جو ہتھیار لے کر باقاعدہ جنگ کرنے آئے ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی تھی:۔

"خیانت، مال غنیمت میں خرد برد اور غداری مت کرنا، کسی کا مثلہ نہ کرنا، کسی چھوٹے بچے، بوڑھے اور عورت کو قتل نہ کرنا، کھیتوں کو ویران اور نذر آتش نہ کرنا، کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی بکری اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا سوائے کھانے کے لیے۔ عنقریب تمہارا گذر ایسے لوگوں پر سے ہو گا جو خانقاہوں میں گوشہ نشین ہو چکے ہیں انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ جاؤ بسم اللہ۔"

یہاں دارالاسلام و دارالحرب اور مسلمانوں و غیر مسلمین کے درمیان معاملات کے اصول و ضوابط کا تفصیلی ذکر و وضاحت مقصود نہیں کیونکہ

اس مختصر بحث میں نہ اس کی گنجائش ہے نہ موقع و محل۔ یہاں صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اسلام نے مختلف طاقتوں کے درمیان معاملات کا کون سا طریق کار متعین کیا۔ اسلام کی آمد کے وقت قومیں صرف تلوار اور جنگل کے قانون سے واقف تھیں، جس کے پاس قوت ہوتی تھی اس کے لیے ہر چیز جائز و حلال ہوتی تھی اور کمزور و مغلوب کو مطلقاً کوئی حق نہیں ہوتا تھا۔ اسلام نے اس سلسلہ میں جو نقوش قائم کیے تھے وہ بالکل مٹ نہیں گئے بلکہ سترھویں صدی عیسوی سے قانون کی بنیاد پر معاملات طے کیے جانے لگے اور بین الاقوامی قانون کی تشکیل کے سلسلے میں کوششیں شروع ہوگئیں، پھر انیسویں صدی عیسوی میں بین الاقوامی اداروں کا قیام بھی عمل میں آنے لگا یہ سلسلہ کامیابی و ناکامی کے ساتھ آج تک جاری ہے اور بین الاقوامی قوانین کے موضوع پر مبسوط بحثیں کی جاچکی ہیں، اس طرح اسلام جو نظامِ عمل لایا تھا وہ اجنبی نہیں رہا۔

یہ صحیح ہے کہ انسانیت اس اخلاقی معیار تک کبھی نہیں پہنچی جہاں تک عملی طور پر مومنین کا گروہ پہنچا تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں بین الاقوامی نظریاتی قوانین کو بار بار توڑا گیا ہے، معاہدوں کو منسوخ کیا گیا ہے، اعلان جنگ کی شرط کو مسترد کیا گیا اور جنگلی جانوروں سے بھی زیادہ بدنظمی و شقاوت کا مظاہرہ کیا گیا ہے، یہ بھی غلط نہیں کہ صلح و جنگ کے عوامل مصالح اور مالی فائدوں وغیرہ کی سطح سے بلند

نہیں ہو سکے اور اسلامی جہاد کے مقصد کے مطابق فکر و عقیدہ، خیر و عدل اور بھلائی کے عوامل کو بنیادی حیثیت نہیں حاصل ہو سکی۔ لیکن اسلام نے پہلی بار جس قانون کی بنیاد پر بین الاقوامی معاملات کا طریق کار دنیا کو بتایا تھا وہ معدوم نہیں ہوئے۔ اور اگر انسانیت کو دوبارہ اس نظام کی طرف بلایا جائے تو وہ انسانیت کے لیے اجنبی اور ناپسندیدہ نہیں رہے گا۔ جاہلیت کی دلدل میں پھنسی ہوئی انسانیت کے لیے اسلام کی اعلیٰ اخلاقی بنیادیں کچھ دنوں کے لیے ضرور نامانوس ہو گئی ہیں لیکن اسلامی نقوش کی بنیاد اجنبی و ناپسندیدہ نہیں ہوئی ہے۔ اسلام جس نے اپنے اصولوں کے قیام کے سلسلے میں پہلی بار فطرت کی قوت پر انحصار کیا تھا اگلی بار بھی اسی طاقت پر انحصار کرے گا مزید برآں اس کے تجربات بھی معاون ثابت ہوں گے اور اس طرح خدا کی مرضی سے اسی قوت سے از سر نو قدم بڑھانے پر زیادہ قادر ہو گا۔

---

تیار کرنے میں غفلت نہ برتیں۔

لیکن آخر زادِ سفر ہے کیا۔؟

زادِ سفر ایک ہی ہے اور وہ ہے تقویٰ کا زادِ سفر اور تقویٰ نام ہے اللہ تعالیٰ کی حقیقت کے شعور، اس کی مرضی کے مطابق عمل اور اس قطعی دعوے پر بھرپور یقین واعتماد کا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم ۴۷) ہم پر اہل ایمان کی مدد واجب ہے۔

یہ سارا معاملہ اس مومن گروہ کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کے لیے سب سے بڑی حقیقت اور رضائے الٰہی کا حصول اس کا اول و آخر مقصد ہے۔ اسی گروہ کے سلسلہ میں نظامِ الٰہی کے برپا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی سنت کارفرما ہوتی ہے، یہی گروہ فطرت سے جاہلیت کا پردہ ہٹاتا ہے اور یہی گروہ دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ اور نظامِ الٰہی کو غالب کرنے کے سلسلے میں امکان بھر کوشش کرتا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران-۱۳۹)

تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ قرآن لوگوں کے لیے بیان صریح اور اہلِ تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

جسکی نمائندگی اسلام کرتا ہے لیکن اس کی بناء سرکش کلیسا اور اس کے معبود سے کشمکش کی بنیاد پر ہو رہی ہے جس سے لوگ اکتا چکے ہیں۔ چنانچہ انسانی زندگی میں یہ سارے اضافے اللہ تعالیٰ سے دور کرنیوالے اور اسکے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والے ثابت ہو رہے ہیں۔ اصحاب دعوت و تبلیغ کو اسکا محاسبہ کرنا چاہیئے۔

یہ حقیقت ہے کہ مادی تہذیب اور اس کے سامان آرائش و زیبائش سے انسانیت تھک چکی ہے اور شقاوت و بدبختی کا شکار ہے، یہ بھی واقعہ ہے کہ فساد و زوال، اعصابی و نفسیاتی امراض، ذہنی و جنسی بے راہ روی اور اس کے سارے آثار نئی تہذیب کے جسم میں پیوست ہیں۔ قومیں اور افراد بدبختی کا شکار ہیں، شر و فساد اور خونریزی عام ہو چکی ہے، تاہم اپنے حیوانی جوش و ہیجان، جنونی نشہ و خمار اور بے ڈھب اٹھان میں مست ہے، اور ہو سکتا ہے کہ عملاً آنکھیں کھلنے، دماغوں سے یہ نشہ اترنے اور اس دور سے انسانیت کے نکلنے کے بارے میں سوچنے تک یہ صدی ختم ہو جائے۔ سابقہ جاہلتیں بدوی زندگی سے قریب تھیں، ان میں بدوی سادگی اور سنجیدگی تھی، لوگوں کے پاس کچھ رسمیں اور روایتی اخلاق تھے جو لوگوں کی نقل و حرکت اور تصرفات میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے، یہ روائتی زندگی جہاں اصحابِ دعوت اور اصحابِ جاہلیت کے درمیان تصادم و معرکہ آرائی کو شدید اور بے رحمانہ بناتی تھی وہیں اسے واضح اور نمایاں بھی کرتی تھی اور فطرت عناد و سرکشی کے پردوں سے نکل کر اس پر لبیک کہتی تھی۔ یہ سنجیدگی کفر و ایمان میں برقرار تھی اور اسمیں جتنی بھی دشواریاں اور مشکلات تھیں ان کے باوجود وہ لاپرواہی اور تحقیر کی صورتحال سے بہر حال بہتر تھی آج انسان ہر عقیدہ، ہر رائے اور ہر مذہب کے ساتھ لاپرواہی اور تحقیر کا برتاؤ کرتا ہے، اسکے دل میں نفاق، مکاری اور خباثت بھر گئی ہے اور یہ ساری چیزیں اللہ کی طرف دعوت اور الٰہی نظام پر استقامت کی راہ میں بڑی خلیج اور رکاوٹ کی حیثیت رکھتی ہیں، اسی طرح آج انسانی زندگی کے بہت سے رنگ ہیں جنھیں ہم اسلیے نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے فریب کھا کر مکمل زادِ سفر

ہیں۔ کلیسا اور خدائے کلیسا سے کشمکش، علماء و مفکرین کو نذرِ آتش کرنا اور اذیت پہنچانا اور مختلف قسم کی تحریکیں ایسے مجنونانہ اور مہلک فرار کی حیثیت رکھتی ہیں جس نے کسی تقدس اور کسی وجود کو باقی نہیں چھوڑا۔

یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ موجودہ صدی کے آغاز سے بڑے بڑے علماء اور سائنسدانوں نے ازسرِنو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا شروع کر دیا ہے اور فطرت جسے تاریکی میں ڈال دیا گیا تھا ازسرِنو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے لگی ہے تاہم ابھی فتنہ اپنے عنفوانِ شباب میں ہے اور اسکا پورا امکان ہے کہ اس تیرہ و تار فضا سے نکلنے میں موجودہ صدی ختم ہو جائے۔

لوگوں کی نظروں میں دنیاوی زندگی کافی وسعت اختیار کر گئی ہے۔ تہذیب نے زندگی کے وسائل و ذرائع بڑھا دیے ہیں، لوگوں میں اس زندگی کی قدر و قیمت، اور اس کے ٹھوس ہونے کا احساس بڑھ رہا ہے۔ علوم و فنون اور خواہشوں و ثقافتوں نے کافی وسعت اختیار کر لی ہے۔ اگر یہ سب کچھ اللہ الوہیت و عبودیت کے خصائص اور اسکی حقیقت کی بنیاد پر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے، زمین کی ساری چیزوں کو اس کے لیے مسخر کیا ہے، خلافت و معاونت کے لئے اسے صلاحیت و استعداد سے نوازا ہے، اسے زندگی کی ساری راحتیں دی گئیں ہیں اور ان سب چیزوں کی آزمائش میں اسے اس لیے ڈالا گیا ہے کہ اس نے دنیا میں جو کچھ کیا ہے آخرت میں اس کا حساب لیا جائے۔ اگر یہ سب کچھ صحیح بنیاد پر قائم ہوتا تو علم و تہذیب سے پیدا ہونے والی نئی وسعتیں ایمان کو وسیع کرتیں اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے ٹھوس نظام سے اور قربت حاصل ہوتی

# آخری بات

اس مختصر کتاب میں ان سارے نقوش کا احاطہ ناممکن ہے جو اسلام نے انسانی زندگی اور تاریخ میں قائم کیے۔ اور اس سے پہلے دنیا میں معروف نہیں تھے، جن کے آثار و نشانات آج بھی انسانی زندگی میں موجود ہیں، کہیں روشن کہیں مدھم اور کہیں اس بلند ترین معیار سے ہٹے ہوئے جہاں تک ٹھوس الٰہی نظام کے سایے میں انسان پہنچا تھا۔ یہ تھوڑے بہت نمونے جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ان بیسیوں طویل و عریض نقوش کی نشاندہی کرتے ہیں جنھیں اس نظام نے قائم کیا تھا اور گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران انسانی زندگی کے مختلف گوشوں میں انھیں دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اس بحث کے اختتام پر یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے (تاکہ اللہ اور اس کے نظام کی طرف ان مساعد و معاون عوامل کے ذریعہ دعوت دینے والے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں اور راستے کی دشواریوں و پیچیدگیوں کے پیش نظر مکمل تیاری سے غافل نہ رہیں) کہ انسانیت آج مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ سے زیادہ دور ہے۔ آج انسانی فطرت پر چھایا ہوا تاریکی کا پردہ زیادہ تاریک و دبیز ہے۔ پرانی جاہلیتیں جہالت، سادگی اور سیکڑی پر مبنی تھیں لیکن آج کی جاہلیت علم، الجھاؤ اور پیچیدگیوں کی جہالت ہے۔ اٹھارہویں وانیسویں صدی عیسوی میں ہونے والی سائنسی فتوحات سرکش فتنے کی حیثیت رکھتی